خطباتِ فقیر
جلد ۱۵
از افادات
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم
مرتب
مولانا محمد حنیف نقشبندی
ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2618003

نام کتاب ——— خطباتِ فقیر (جلد ۱۵)

از افادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ——— مارچ 2009ء

اشاعت چہارم: .... جون ۲۰۱۰ء

تعداد ——— 1100

سرورق ——— حافظ انجم محمود

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود عفی عنہ

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ پندرھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقول شاعر

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

”خطبات فقیر“ کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کر رکھا ہے کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے

ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئین کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہء خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحر معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت وذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہل ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہ ء جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ
خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی نور اللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی تم نے اپنی طرف سے اس کام کو نہیں کرنا بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ جب کبھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمد للہ شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا کیونکہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے لیے دعوتیں آنے شروع ہوگئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت ملی رختِ سفر باندھا اور عازمِ سفر ہوئے۔ اس کثرت سے سفر ہوئے کہ بعض اوقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلہ بنا دیا۔ اِس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے

”قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں“

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے،
و اما بنعمة ربك فحدث ۔

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں خطبات فقیر کے عنوان سے نمبروار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علماء طلباء نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

ان خطبات کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شيء

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾

(انشراح: ۴)

قرآن اور صاحبِ قرآن

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامع مسجد اللہ اکبر، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور

بتاریخ: یکم اپریل 2007ء ، ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

اقتباس

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو کیا مرتبہ عطا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب ﷺ!

﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾

[اور آپ کا آنے والا وقت آپ کے گزرے ہوئے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا]

یہ اتنی بڑی خوش خبری ہے کہ اس سے بڑی خوش خبری کوئی نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں بڑے لوگوں کو عروج ملتا ہے لیکن عروج ملتے ہی ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خوش خبری ملی کہ ''اے میرے پیارے حبیب ﷺ! جو عروج آپ کو مل رہا ہے اس عروج کا زوال کبھی نہیں ہوگا۔ ہر آنے والا وقت آپ کی عزت کو شرف کو، مقام کو پہلے سے بلند تر کرتا چلا جائے گا۔''

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قرآن اور صاحبِ قرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ o
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ربیع الاول کا مہینہ اپنے ساتھ بہت ساری یادیں وابستہ کیے ہوئے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ بھی اسی مہینے میں اور وفات شریفہ بھی اسی مہینے میں ہوئی۔ یوں تو پورا سال ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے بارے میں بیانات ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ربیع الاول میں یہ یادیں اور بھی تازہ ہو جاتی ہیں۔

محبت کا تقاضا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ رب العزت نے محبوب کل جہاں بنا دیا۔ محبت کا یہ تقاضا ہے کہ محبوب کا تذکرہ ہر وقت ہوتا رہے۔ ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے۔ اس کی گفتگو میں اکثر اس کے اپنے بچے کی باتیں شامل ہوتی ہیں۔ آپ جتنی دیر اس کے پاس بیٹھیں گے وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے بچے کا تذکرہ کرتی رہے گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اللہ رب العزت کے محبوب ہیں، اور اس لیے اللہ رب العزت کے کلام میں بھی جا بجا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تذکرے نظر آتے

ہیں۔ چنانچہ آج ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن کی نظر میں صاحبِ قرآن کا مقام کیا ہوتا ہے تاکہ ان کی محبت ہمارے دل میں آجائے۔

ہم جیسے ایک عام آدمی کے لیے اس عنوان پر بولنا ایک مشکل کام ہے۔ کہنے والوں نے کہا: ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

کہ اگر میں ہزار مرتبہ اپنے منہ کو مشک اور گلاب سے دھولوں تو اے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے آپ کا نام لینا پھر بھی بے ادبی ہے۔ جس ذات کی تعریفیں اللہ رب العزت نے فرمائیں، اس ذات کی بندہ کیا تعریفیں کر سکے گا! امام بوصیریؒ فرماتے ہیں،

فَإِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَيُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

[اللہ کے حبیب ﷺ کے فضل و کمال کی کوئی حد نہیں ہے، پھر بندہ کس منہ سے آپ ﷺ کی توصیف بیان کرے]

تاہم توصیف کرنے والوں کی فہرست میں نام لکھوانے کی تمنا تو ہر مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ تو آیئے! ذرا قرآنِ مجید میں غور کرتے جایئے کہ اس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا عظمت ہمارے سامنے کھلتی ہے!

اندازِ تخاطب میں محبت کا پہلو:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مختلف انبیا علیہ السلام کو خطاب فرمایا تو ان کا نام لے کر ان سے خطاب کیا۔ چنانچہ فرمایا:...... یٰٓا اٰدَمُ ...... یٰنُوْحُ...... یٰزَکَرِیَّا ......یٰٓاِبْرٰهِیْمُ...... یٰمُوْسٰی ......یٰعِیْسٰی...... یَا دَاوٗدُ...... یٰیَحْیٰی...... سب

انبیا علیہم السلام کا نام لے کر خطاب کیا۔ لیکن جہاں بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آیا، اللہ رب العزت نے ان کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا، بلکہ ان کی صفات کے ذریعے سے ان کو مخاطب فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ...... يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ...... يَاأَيُّهَا الْمُزَمِّلُ...... يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

(اے کہ آراستہ بہ لباس پیغمبری)

یہ اندازِ تخاطب ہی بتاتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو کیا شان عطا فرمائی!

محبوب ﷺ کا براہ راست دفاع:

انبیا علیہم السلام جب بھی دنیا میں تشریف لائے تو کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہوتے تھے۔ وہ مخالفت پر کھڑے ہو جاتے۔ وہ انبیائے کرام پر طرح طرح کے الزامات لگاتے تھے۔ جب بھی قوم نے الزام لگایا، اللہ رب العزت نے اس نبی علیہ السلام کی زبان میں اس کا جواب دلوایا۔ قوم نے کہا کہ آپ تو گمراہ ہیں تو اس نبی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

﴿ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ ﴾ (الاعراف: 61)

[اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں]

قوم نے کہا: آپ بے وقوف ہیں تو اس نبی علیہ السلام کی زبان سے جواب دلوایا گیا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ (الاعراف: 67)

(اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی قوم کے کچھ لوگوں نے الزامات لگائے۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے کہا: یہ مجنون ہے۔ تو اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ فیض ترجمان سے جواب دلوانے کی بجائے براہ راست خود جواب عطا

فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴾

(القلم: 2-1)

اے میرے حبیب! آپ اللہ کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔ یہاں محبت کا اندازہ لگایئے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلام کی طرف سے خود براہ راست جواب عطا فرمایا۔

محبوب ﷺ کا وجد آفرین تذکرہ:

جب اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں انبیائے کرام کا تذکرہ فرمایا تو گو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ترتیب میں سب سے آخر میں تشریف لائے، مگر اللہ رب العزت نے تذکرہ کرتے ہوئے آپ کا ذکرِ مبارک ان سے پہلے فرمایا۔ سنیے! قرآن عظیم الشان...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ (الاحزاب:7)

باقی انبیا کا تذکرہ بعد میں کیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر مبارک پہلے فرمایا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو وجد میں آکر کہنے لگے: اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ نے آپ کو کیا شان عطا فرمائی کہ اگرچہ آپ دنیا میں خاتم النبیین بن کر سب سے آخر میں تشریف لائے لیکن جب اللہ رب العزت نے انبیائے کرام کا تذکرہ فرمایا تو آپ کا تذکرہ سب سے پہلے فرمایا۔

انبیائے کرام سے حضور ﷺ پر ایمان لانے کا عہد:

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اللہ رب العزت نے انبیائے کرام

سے ایک عہد لیا۔ اس عہد و پیمان کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں کیا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط

(ال عمران: 81)

[اور جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو (تم پر لازم ہے کہ) تم ضرور اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا]

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ [فرمایا: کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟]

وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ (اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟)

سب انبیا نے کیا جواب دیا؟

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا [سب نے عرض کیا، ہم نے اس بات کا اقرار کیا]

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران: 81)

[ارشاد فرمایا: تم بھی اس ملت پر ایک دوسرے کے گواہ رہو اور میں بھی اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں]

اس آیت مبارکہ میں رسول کا مصداق اللہ کے محبوب ﷺ ہیں۔ اللہ اکبر!!!

اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتیں:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اتنی نعمتیں بخشی ہیں کہ جن کو ہم گن بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل: 18)

[اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے]

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان گنت نعمتیں عطا فرمائیں مگر کسی نعمت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر احسان نہیں جتلایا۔ یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ میرے بندو! میں نے تمہیں آنکھیں دیں، میں نے تمہیں عقل کی نعمت دی، میں نے تمہیں پانی دیا، ہوا دی۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت کا تذکرہ نہیں کیا مگر ایک نعمت ایسی تھی کہ جس نعمت کو دے کر یوں لگتا ہے کہ خود دینے والے کو مزہ آگیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے احسان جتلایا، فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا (آل عمران:164)

[تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا کہ ان میں اپنے محبوب کو بھیج دیا]

خُلقِ عظیم کا تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ عظیمہ کی تعریف فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:4)

[اور اے میرے پیارے حبیب! آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں]

فضلِ عظیم کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی تذکرہ قرآن میں فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء:113)

[اے میرے پیارے محبوب! آپ پر اللہ رب العزت کا بڑا فضل ہے]

سارے جہانوں کے لیے رحمت:

• آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾ (النساء:107)

[اے میرے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا]

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپالے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

وجود نبوی کی برکات کافروں پر بھی:

اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا: چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ﴾ (انفال:33)

[اے میرے پیارے حبیب ﷺ! اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں موجود ہیں]

پس منظر یہ تھا کہ کافر آ کر کہتے تھے کہ ہم آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ مگر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ اے میرے پیارے حبیب ﷺ! اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک

عذاب نہیں دے گا جب تک کہ آپ ان میں موجود ہیں۔آپ ﷺ کے وجودِ مسعود کی برکت اتنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے بھی عذاب کو ٹال دیا تھا۔اور آج بھی جس شخص کی زندگی میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتیں موجود ہوں گی ،اور جس قوم کے اندر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات زندہ ہوں گی ،ان کی برکت سے اللہ اس فرد کو اور اس قوم کو اپنے عذاب سے نجات عطا فرمادیں گے۔

اطاعتِ نبوی کی عظمت کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت دیکھیے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾(النساء:80)

[جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ رب العزت کی اطاعت کی]

مرتبہ اور مقام دیکھیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے کو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ گویا تم نے میری اطاعت کی ہے ؎

اطاعت نبی کی ہے اطاعت خدا کی
منزل من اللہ پیام اللہ اللہ

نصرتِ خداوندی کا تذکرہ:

اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب ﷺ کے مددگار رہتے اور ان کے کاموں کو سنوارنے والے تھے۔ارشاد فرمایا۔

﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾(الاحزاب:48)

[اور آپ اللہ پر توکل کیجیے،اور آپ کے لئے اللہ ہی وکیل کافی ہے]

آج دنیا میں کوئی آدمی مقدمہ جیتے تو وہ کہتا ہے کہ میرا وکیل بڑا سمجھدار تھا۔اور

جس کا وکیل اللہ رب العزت بن جائے، پھر تو کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں۔
اس لئے فتح مکہ کے موقع پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ

(تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور لشکروں کو اکیلے ہی شکست دی)

سبحان اللہ! اللہ رب العزت کی کیسی تعریف فرمائی!!

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ ﴾ (انفال:62)

(وہ ذات جس نے اپنی مدد سے آپ کو مضبوط کیا)

مذاق اڑانے والوں کا انجام:

جو لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!

﴿ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ﴾(الحجر:95)

(ہم آپ کا مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں)

آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم آپ کی طرف سے ان لوگوں سے ہم نمٹیں گے، چنانچہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ ابو جہل کا انجام دیکھیے، ابولہب کا انجام دیکھیے، عتبہ بن شیبہ کا انجام دیکھیے، ولید پلید کا انجام دیکھیے۔ یہ وہی لوگ تھے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ بالآخر اللہ نے ان کا کیا ہی برا انجام کیا!

مجنوں کہنے والے کی سرزنش:

ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون کہا۔ اس پر اللہ رب العزت کو اتنا

جلال آیا کہ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا...... بالکل یوں لگتا ہے جیسے کسی ماں کے بیٹے کو کچھ کہہ دیا جائے تو جواب میں ماں ایک لفظ ہی نہیں کہتی بلکہ شروع ہی ہو جاتی ہے، اس کا غصہ ٹھنڈا ہی نہیں ہوتا۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ میں اس کو اتنا کچھ کہوں کہ اس کو سمجھ آ جائے کہ اس نے ایسی بات کیوں کی، اور آئندہ اسے ایسی بات کہنے کی جرات ہی نہ ہو......

چنانچہ جس شخص نے آپ ﷺ کو مجنون کہا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ﴾

(اور آپ اطاعت نہ کیجئے قسمیں کھانے والے نیچ قسم کے انسان کی)

﴿هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ﴾ (چغلی لے کر پھرنے والی کے)

﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ (خیر کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالنے والے کے)

﴿مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ﴾ (حد سے بڑھنے والے گناہگار کی)

﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ﴾.

(یہ سب کہنے کے بعد یہ کہ وہ سخت مزاج بھی ہو اور بدنام زمانہ بھی ہو یعنی ولد الزنا ہو)

اللہ اکبر! آخر میں فرمایا: وہ تو زنا کی اولاد ہے۔ ایک لفظ کے جواب میں اللہ رب العزت نے کتنا طویل کلام فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعداء پر اللہ رب العزت کا کس قدر غصہ ہوتا ہے۔

تسلی آمیز پیغامات:

دوسری طرف اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دیتے ہیں۔ فرمایا: اے میرے پیارے حبیب ﷺ! آپ کے دشمن مکر کرتے ہیں جس سے آپ کا دل

دکھتا ہے، آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَo اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾

(النحل:128-127)

جو لوگ آیات کے ترجے سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں ان کو یہ آیات پڑھ کر لطف اور مزہ آتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو اتنے پیارے انداز میں تسلی دی کہ پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کو آہستہ آہستہ اتار گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾ (الفرقان:32)

(اس لیے کہ میرے محبوب! آپ کے دل کو تسلی مل جائے)

چنانچہ مخالفین جو مکر و فریب کرتے تھے اللہ تعالیٰ اس کو ختم فرما دیتے تھے، سنیے! قرآن عظیم الشان...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ ﴾ (الانفال:30)

(اور جب آپ کے ساتھ تدبیر کی کافروں نے کہ وہ آپ کو قید میں رکھیں)

اَوْيَقْتُلُوْكَ

(یا آپ کو شہید کر دیں)

اَوْ يُخْرِجُوْكَ

(یا آپ کو دیس نکالا دے دیں)

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ

(اور انہوں نے بھی تدبیر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی)

﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ (انفال:30)

(اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے)

نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ علیہ والسلام کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔ قرآن مجید میں اس کا بھی ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة :67)

[اے میرے پیارے حبیب ﷺ! اللہ رب العزت آپ کو تمام انسانوں سے محفوظ رکھیں گے]

یعنی جو دشمن شر کی نیت سے آپ کے قریب آنے کی کوشش کرے گا تو آپ کا پروردگار آپ کی حفاظت کرے گا ۔

فانوس بن کر جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

محبوب کے زیرِ نظر رہنے کا مزہ:

پھر اللہ رب العزت فرماتے ہیں: اے میرے پیارے ﷺ! آپ ہر وقت ہماری نگاہوں میں رہتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ جن کو محبت سے واسطہ پڑا ہو وہ سمجھتے ہیں کہ ہر وقت محبوب کے زیر نظر رہنا، کس قدر لطف اور سرور کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (النجم: 48)

[اے میرے پیارے حبیب ﷺ! آپ اللہ کے لئے صبر کیجیے، آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں]

جب سیدہ عائشہ ؓ نے یہ آیت سنی تو کہنے لگیں:

"اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا مقام دیا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔"

......اللہ اکبر!!! ؎

آنکھوں میں بھر گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

نبی علیہ الصلوٰۃ علیہ والسلام تو پوری زندگی اللہ رب العزت کی نظر میں رہے۔ اس کو کہتے ہیں: ؎

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

سب سے بڑی خوش خبری:

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو کیا مرتبہ عطا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب ﷺ!

﴿ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾ (الضحیٰ: 4)

[اور آپ کا آنے والا وقت آپ کے گزرے ہوئے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا]

یہ اتنی بڑی خوش خبری ہے کہ اس سے بڑی خوش خبری کوئی نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں بڑے لوگوں کو عروج ملتا ہے لیکن عروج ملتے ہی ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خوش خبری ملی کہ

"اے میرے پیارے حبیب ﷺ! جو عروج آپ کو مل رہا ہے اس عروج کا زوال کبھی نہیں ہوگا۔ ہر آنے والا وقت آپ کی عزت کو، شرف کو، مقام کو پہلے سے بلند تر کرتا چلا جائے گا۔"

بروزِ محشر عزتوں کے مستحق کون ہونگے؟

اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کا قیامت کے دن کے بارے میں بھی تذکرہ فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (التحریم : 8)

[قیامت کے دن اللہ رب العزت اپنے پیارے نبی ﷺ کو رسوا نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ جو ایمان والے ہوں گے ان کو بھی (رسوا نہیں کریں گے]

ماں لوگوں کے سامنے اپنے بچے کو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتی کہ جس کی وجہ سے بچے کو سبکی ہو۔ اللہ رب العزت کو اپنے حبیب ﷺ سے محبت تھی۔ اس لیے آپ کو ایک تسلی دے دی گئی کہ آپ کو بھی قیامت کے دن عزتیں ملیں گی اور جو آپ کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ان کو بھی اس دن عزتیں ملیں گی۔

اب یہاں ایک چھوٹی سی بات سمجھ لیجیے! اگر ماں کے پاس اس کے بچے کا فوٹو ہو، جو اس نے شناختی کارڈ یا پاسپورٹ کے لیے بنوایا ہو، آپ اس ماں سے کہیں کہ جی! آپ اس فوٹو کو چولہے میں ڈال دیں، تو وہ ماں ایسا کرنے سے انکار کر دے گی۔ وہ کہے گی کہ میں اپنے بیٹے کو آگ میں کیوں ڈالوں؟...... ماں کو اپنے بیٹے سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ اس کی تصویر کو بھی آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی۔ اسی طرح اللہ رب العزت کو اپنے حبیب ﷺ کی صورت اور سیرت سے اتنی محبت ہے کہ جو شخص ان کی طرح سنت کا لباس اور مسنون اعمال اپنائے گا اللہ تعالیٰ اس ''تصویر'' کو بھی قیامت کے دن جہنم کی آگ میں نہیں ڈالیں گے۔

معراجِ نبوی کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو ملاقات کے لیے بلایا۔ اس کو معراج

کہتے ہیں۔اس کی مستقل تفصیلات ہیں۔فرمایا کہ اتنا قرب ملا کہ

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم:9-8)

[پھر آپ ﷺ اتنے قریب سے قریب تر ہوئے کہ دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا]

[اللہ کے حبیب ﷺ نے تمام مدارج طے کیے، بالآخر آپ ﷺ کو ایسا مقام ملا جو ادراک سے پرے ہے اور قاب قوسین سے کم نہیں ہے]

اور پھر فرمایا:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (النجم :18)

[تحقیق اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ علیہ والسلام کو بڑی نشانیاں دکھائیں]

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراجِ جسمانی نصیب ہوئی۔یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت تھی کہ اللہ رب العزت نے ان کو معراج عطا فرمائی۔ان کو بلا کر جنت بھی دکھائی اور جہنم بھی دکھائی......اس کی وجہ کیا تھی؟......اس کی بہت ساری وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کے دن شفاعت کرنی ہے......جس بندے نے جن مراحل کو پہلے نہ دیکھا ہوا ہو وہ ان مراحل میں دوسرے بندے کی صحیح مدد بھی نہیں کرسکتا۔یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ماں باپ کو حج کروانا ہو تو ایک سال پہلے خود جا کر حج کرتے ہیں۔تا کہ انہیں پورے پراسس کا پتہ چل جائے۔چنانچہ پھر وہ بڑے اطمینان کے ساتھ ماں باپ کو لے جاتے ہیں اور انہیں اچھی طرح مناسکِ حج کرواتے ہیں......اللہ تعالیٰ نے معراج اس لیے کروائی کہ اللہ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کو بتانا چاہتے تھے کہ اے میرے پیارے محبوب ﷺ! آپ جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے

دیکھیں گے، پلِ صراط کو دیکھیں گے، پھر جب قیامت کا دن ہوگا اس وقت آپ کو اپنی امت کی شفاعت کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی، سبحان اللہ! ؎

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

اللہ رب العزت ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی کامل اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

انعاماتِ الٰہی کا تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو انعامات عطا فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر : 1)

[بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی]

کوثر سے مراد ''خیرِ کثیر'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو خیرِ کثیر عطا فرمائی۔ اس خیرِ کثیر کے موضوع پر علما نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں کہ اس خیر کثیر کی تفسیر کیا ہے؟

وجل مقدار ما ولیت من رتب
و عذا ادرک ما اولیت من نعم

(اللہ کے حبیب ﷺ کو جو رتبے ملے ہیں وہ بہت عظیم الشان ہیں، آپ ﷺ کو جو نعمتیں ملی ہیں ہماری عقلیں ان کا ادراک نہیں کرسکتیں)

یہ تو ایسی باتیں تھیں جو قرآن مجید میں ذرا نمایاں انداز میں موجود ہیں۔ اب ذرا آگے چلیے۔

جسمِ مبارک کے اعضا کا ذکر:

قرآن مجید میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ مبارک کے مختلف اعضا کا بھی

تذکرہ فرمایا، جیسے ماں کبھی اپنے بیٹے کی آنکھ کی بات کرتی ہے، کبھی اس کے بولنے کی بات کرتی ہے، کبھی اس کے سننے کی بات کرتی ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی اسی طرح اپنے پیارے حبیب ﷺ کے جسمِ اطہر کے مختلف اعضا کے تذکرے بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمائے۔ کیسی وہ ذات ہوگی، جس سے اللہ رب العزت نے اتنی محبت فرمائی!؟ آیئے! آپ ﷺ کے ان اعضا کا تذکرہ قرآن میں دیکھیے! جن کو اللہ تعالیٰ نے عجیب حسن عطا فرمایا، کہنے والے نے کہا:

بات میں سناواں اک ایسے ماہ جبین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی

چہرۂ انور کا تذکرہ:

﴿ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ﴾ (البقرة :144)

[اے میرے پیارے حبیب ﷺ! ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں]

اب ذرا اس کی تفصیل سن لیجیے! جہاں محبت ہوتی ہے وہاں جی چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ بار بار رابطہ ہو۔ بندہ رابطے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ جتنی ملاقات ہو وہ تھوڑی نظر آتی ہے۔ چنانچہ مختلف انبیا پر جبرئیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آئے۔ کسی پر ایک درجن مرتبہ، کسی پر چند درجن مرتبہ اور کسی پر چند سو مرتبہ، لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جبرئیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کا اترنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا اچھا لگتا تھا (چونکہ اللہ کی طرف سے میسج آتا تھا) کہ آپ ان کے انتظار میں کئی مرتبہ آسمان کو دیکھتے رہتے تھے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے انتظار میں شوق سے آسمان کو دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے میرے پیارے حبیب

ﷺ! آپ آسمان کی طرف جب چہرہ فرماتے تھے تو ہم اس وقت آپ کے چہرے کو محبت کے ساتھ دیکھ رہے ہوتے تھے۔

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾

مبارک آنکھوں کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک آنکھوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَابِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ (النحل :88)

اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک آنکھوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں کیا گیا کہ اے پیارے حبیب ﷺ! جو کچھ کافروں کو عطا کیا گیا ہے اس کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے۔ مگر اس آیت مبارکہ میں آنکھوں کا تذکرہ تو ہو گیا ہے نا، یہ محبت کی وجہ سے تھا۔ ویسے بھی جو عضو اچھا لگتا ہے اسی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں:

''تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے''

مبارک کانوں کا تذکرہ:

آپ ﷺ کے مبارک کانوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ کافر لوگ کہتے ہیں:

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ (التوبة :61)

اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کانوں کا بھی تذکرہ فرمایا۔

زبان مبارک کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں

ہے۔فرمایا:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴾ (القیمة :61)

سینہ مبارک کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینے مبارک کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ (الانشراح :1)

[کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟]

سبحان اللہ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینے مبارک کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

اب یہاں ایک نکتہ سن لیجیے!......محبت کا ایک پہلو یہ ہوتا ہے کہ کوئی بندہ کسی سے محبت کرے۔ایسی صورت میں اس کے ساتھ رویہ کچھ اور ہوتا ہے اور ایک پہلو یہ ہے کہ بندہ خود کسی سے محبت کرے۔پھر محبوب کے ساتھ رویہ کچھ اور ہوتا ہے۔اس کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں،سالک اور مجذوب۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپ کے دوستوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ ان کو اپنا ایڈریس دے دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اچھا بھئی گھر آ کر مل لینا۔لیکن اگر آپ کو اپنا بہت ہی پیارا اور قریبی دوست مل جائے اور وہ ملے بھی مدتوں بعد تو آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ چلو بھئی! میں آپ کو اپنے گھر لے جاتا ہوں۔ پہلے دوست کو ایڈریس بتا دیا اور دوسرے دوست کو ہاتھ سے پکڑ کر گھر پہنچا دیا، یہ فرق ہوتا ہے سالک اور مجذوب میں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا (الاعراف : 143)

[اور جب موسیٰ علیہ السلام آئے ہماری ملاقات کے لیے (کوہ طور پر)]

یہاں موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر آنے کا تذکرہ فرمایا۔ اور جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کا تذکرہ ہو، وہاں یہ نہیں کہا کہ وہ آئے، بلکہ فرمایا:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾ (الاسراء : 1)

[پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک (اپنی رحمت سے) لے کر گئی]

گویا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے جانے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے دعا مانگی:

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴾ (طٰحٰہ: 25)

[اے پروردگار! میرے سینے کو کھول دیجیے]

وہ بھی اللہ کے نبی ہیں، کلیم ہیں، مگر ان کو دعا مانگنی پڑ رہی ہے، اور یہاں دعا کا تذکرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾

[اے میرے پیارے محبوب! کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا مقام ہے۔

پیٹھ مبارک کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیٹھ مبارک کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴾ (الانشراح : 3-2)

[اور ہم نے آپ کے اوپر سے آپ کو وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی]

مبارک ہاتھوں کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ﴾

(الفتح:10)

[(اے پیارے حبیب ﷺ!) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی بیعت اللہ سے ہو رہی ہے اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے]

ظاہر میں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ اوپر تھا، مگر اندازہ لگایئے کہ یوں فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر اللہ رب العزت کا ہاتھ ہے۔ خوش نصیب تھے وہ لوگ جن کے ہاتھ ایسی ہستی کے ہاتھ میں چلے گئے ؎

میرا دن چھپا کسی رات میں، میری رات چھپی کسی ذات میں
میری زندگی اک راز ہے، کوئی راز ہے میری ذات میں
میں جہاں کہیں بھی اٹک گیا وہیں گرتے گرتے سنبھل گیا
مجھے ٹھوکروں سے پتہ چلا، میرا ہاتھ ہے کسی ہاتھ میں

وہ ہستیاں کتنی خوش نصیب تھیں جن کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں آ گئے!

مبارک قدموں کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدموں کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ﴾ (التوبة:108)

[(اے میرے پیارے حبیب!) آپ وہاں بالکل کھڑے نہ ہوں]

یعنی آپ اس جگہ پر قدم ہی نہ رکھیے جہاں سے آپ کو منع کیا جا رہا ہے۔

لباس مبارک کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ (المدثر :4)

[اور آپ اپنے لباس کو پاک رکھیے]

سر سے پاؤں تک تمام اعضا کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا اور پھر جس لباس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو ڈھانپا تھا اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں فرما دیا۔ شاعر نے کہا:

”اے محبوب ﷺ! آپ جس لباس کو پہنتے ہیں، اس لباس کے پہننے سے آپ کے حسن میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ آپ جو لباس پہن لیتے ہیں، آپ کے پہننے کی وجہ سے اس لباس کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔“

اللہ رب العزت نے بھی اپنے پیارے حبیب ﷺ کے لباس کا تذکرہ فرمایا۔

کاشانۂ نبوت کا تذکرہ:

اب لباس کے بعد اور دائرہ پھیلائیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مبارک گھر کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ ﴾ (الحجرات:4)

[بے شک وہ لوگ جو آپ کو گھر کے باہر پکارتے ہیں]
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک حجروں کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔

اہلِ خانہ کا تذکرہ:

گھر میں گھر والے ہوتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر والوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ﴾(الاحزاب :32)
[اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو]
یعنی آپ کا مرتبہ اللہ کی نظر میں بڑا بلند ہے۔ بلکہ دوسری جگہ فرمایا۔
﴿ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾ (الاحزاب : 6)
[اور نبی ﷺ کی بیویاں امت (کے لوگوں) کی مائیں ہیں]
نہ صرف قرآنِ مجید میں تذکرہ ہی ہوا ہے بلکہ ان کو اللہ نے ماں کا رتبہ عطا فرمادیا ہے۔

اہلِ خانہ کی پاک دامنی کا تذکرہ:

پھر ان کی پاکدامنی کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ فرمایا:
سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (النور:16)

بنات اربعہ کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:
﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ ﴾(الاحزاب:59)
[اے میرے پیارے نبی! آپ فرما دیجیے، اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے]

بیٹوں کا تذکرہ:

دیکھو! کہ اب بیٹوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ بچوں کا تذکرہ بھی ہے۔ فرمایا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ ﴾(الاحزاب:40)

(محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں)

گویا اس آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے جو بچپن میں اللہ کو پیارا ہو گیا تھا۔

اہلِ بیت کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کا تذکرہ بھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾(الاحزاب:33)

مسجد نبوی کا تذکرہ:

پھر دیکھیے کہ گھر کے بعد آدمی کی نشست و برخاست مسجد میں ہوتی ہے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا،

﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾

(التوبة:108)

مسجد کے نمازیوں کا تذکرہ:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یاروں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، ارشاد فرمایا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح:29)

[محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کفار کے مقابلے میں سخت ہیں]

ان کی خاص خوبیاں گنوائیں گئیں کہ یہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بالکل رحیم وکریم ہیں۔ ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی نرم
رزم حق و باطل ہو تا فولاد ہے مومن

مہمانوں کی دعوت کا تذکرہ:

آپ ﷺ کے پاس مہمان آئے تھے اور وہ کھانا بھی کھاتے تھے۔اس کھانے کی دعوت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔فرمایا:

﴿ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا ﴾(الاحزاب :53)

[اور جب تم کھانا کھا چکو تو پھر (اپنے گھروں کو) چلے جاؤ]

اقربائے نبوی کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقرباء کا تذکرہ بھی قرآنِ مجید میں ہے۔ارشادفرمایا:

﴿ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾ (الشوریٰ:23)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ بھی فرمایا اور آپ ﷺ کے متعلقین کا تذکرہ بھی فرمایا۔

علمِ نبوی کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائل وفضائل کا تذکرہ بھی ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ کے علم کا تذکرہ فرمایا کہ اے میرے حبیب ﷺ!

﴿وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ (النِّساء:113)

[اور (اللہ نے) آپ کو وہ علم دیا جو آپ نہیں جانتے تھے]

اور دوسری جگہ پر فرمایا۔

﴿قُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (طٰهٰ:114)

[آپ کہہ دیجیے، اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ عطا فرمایئے]

حسنِ بیان کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسنِ بیان کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب ﷺ!

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾

(النحل:125)

[اپنے رب کے راستے کی طرف بلایئے حکمت کے ساتھ اور اچھے انداز کے ساتھ]

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں میں جاذبیت تھی کہ جو بھی سنتا تھا اس کے دل میں وہ باتیں اتر جاتی تھیں۔ اس کو کسی شاعر نے یوں کہا:

وہ جو شیریں سخنی ہے، مرے مکی مدنی
تیرے ہونٹوں سے چھنی ہے، مرے مکی مدنی
تیرا پھیلاؤ بہت ہے، تیرا قامت ہے بلند
تیری چھاؤں بھی گھنی ہے، مرے مکی مدنی
نسل در نسل تری ذات کے مقروض ہیں ہم
تو غنی ابن غنی ہے، مرے مکی مدنی

نرم روئی کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نرم روئی کا بھی قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

(اگر آپ دل کے سخت اور ترش رُو ہوتے تو آپ کے گرد جمع یہ سب لوگ بھاگ جاتے)

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ جاذبیت اور میکناتزم دیا تھا کہ جو بھی آتا تھا وہ ہمیشہ کے لیے نبی علیہ السلام کے قدموں کا غلام ہو جاتا ہے۔

صبر وتحمل کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صبر وتحمل کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل:128)

[اور آپ صبر کیجیے اور آپ کو صبر کی توفیق بھی اللہ ہی دے گا]

حیا کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حیا کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِىَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ﴾ (الاحزاب: 53)

[اس چیز سے آپ کو ایذا تو پہنچتی ہے مگر آپ حیا فرماتے ہیں]

یعنی آپ حیا کی وجہ سے کوئی بات نہیں فرماتے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک آنکھوں میں وہ حیا دیکھتی تھی جو مجھے مدینے کی کنواری لڑکیوں میں بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اللہ نے آپ کو ایسی باحیا آنکھیں

عطا فرمائی تھیں۔

آدابِ نبوی کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھایا کہ تم میرے پیارے حبیب ﷺ کے آداب کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾

(الحجرات: 1)

[اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے قدم پیش نہ کرو!]

اور فرمایا:

﴿ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ ﴾

[اور تم اپنی آواز بھی ان کے سامنے بلند نہ کرو]

﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾

[تم اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو]

اگر بلند کر بیٹھو گے تو کیا ہوگا؟

﴿ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (الحجرات:2)

[تمہارے کیے ہوئے عملوں کو ضائع کر دیا جائے گا اور تمہیں اس بات کا شعور بھی نہیں ہوگا]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ذرہ برابر بھی گستاخی اللہ رب العزت کو ہرگز قبول نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب کا بہت خیال رکھیں۔

تربیتِ نبوی کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت بھی فرمائی۔ اس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبة: 43)

ایک جگہ فرمایا:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التحریم: 1)

[اے نبی جس چیز کو اللہ نے حلال کیا آپ اس کو قسم کھا کر اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں اور وہ بھی اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت والا ہے]

تو دیکھیے کہ قرآن مجید میں تربیت کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔

عفو و درگزر کا تذکرہ:

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی طرف سے معافی اور درگزر کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ (آل عمران: 159)

[اور آپ ان کو معاف کر دیجیے اور آپ ان کے لیے استغفار بھی فرمائیے]

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات میں معافی کا پہلو بہت غالب تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مکہ کو فتح فرمایا تو اس وقت ایک شخص عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بیت اللہ کے کنجی بردار تھے، ان کے پاس بیت اللہ کی چابی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: عثمان! چابی لاؤ۔ چنانچہ عثمان نے چابی آپ

ﷺ کے حوالے کر دی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کا دروازہ کھلوایا اور اندر تشریف لے گئے۔ اندر جا کر آپ ﷺ نے اللہ کی عبادت کی۔ اس وقت صحابہ کرام ﷢ بھی ساتھ تھے۔

جب آپ ﷺ باہر آنے لگے تو صحابہ کرام ﷢ میں جو بہت نمایاں شخصیتیں تھیں، جن میں سیدنا صدیق اکبر ؓ، سیدنا عمر ؓ، سیدنا عثمان غنی ؓ، سیدنا علی ؓ اور سیدنا عباس ؓ تھے، یہ سب قریب قریب تھے۔ ان کے دل میں ایک تمنا تھی کہ اللہ کے حبیب ﷺ بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کریں گے اور اب یہ چابی صاف ظاہر ہے کہ کسی کلمہ گو کو دیں گے، کافر کو تو نہیں دیں گے۔ تو اگر کسی کلمہ گو کو چابی ملنی ہے تو کیوں نہ یہ سعادت ہمیں مل جائے۔ اس لیے وہ قریب قریب تھے کہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کا انتخاب ہو جائے۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جب ان کو اتھارٹی ملتی ہے تو وہ ان کو نوازتے ہیں جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کروالیا تو آپ ﷺ نے عثمان کو دوبارہ بلوایا اور فرمایا:

''عثمان! تم یاد کرو اس وقت کو جب میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے والا تھا، اس وقت میرا بڑا جی چاہتا تھا کہ میں بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اللہ کی عبادت کروں اور میں نے اس وقت تم سے کہا تھا کہ عثمان! بیت اللہ کا دروازہ کھول دو، مگر تم نے کھولنے سے انکار کر دیا تھا اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ عثمان! ایک ایسا وقت آئے گا کہ جس پوزیشن میں اس وقت تم ہو، میں ہوں گا، اور جس میں میں ہوں، تم ہو گے۔ عثمان! دیکھو میرے اللہ نے میری بات کو سچا کر دیا۔ آج چابی میرے ہاتھ میں ہے اور تمہارے ہاتھ خالی ہیں،

لیکن عثمان! میں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کروں گا جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا، میں یہ چابی تمہیں واپس دیتا ہوں اور یہ قیامت تک تمہاری نسلوں میں چلتی رہے گے۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسنِ خلق کو دیکھ کر عثمان کی آنکھوں میں آنسو نکل آتے ہیں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ معاف کرنا اور درگزر کر دینا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاص شان تھی۔

مقامِ تفویض کا تذکرہ:

اللہ کے حبیب ﷺ کے مقامِ تفویض کا ذکر بھی قرآنِ مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ﴾ (المومن:44)

[اور میں اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں]

جہاد کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جہاد کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے، ارشاد فرمایا:

وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (الانفال:17)

مقاصدِ بعثت کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دنیا میں تشریف لانے کا مقصد کیا تھا؟......اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴾ (الاحزاب:46-45)

حزن وغم کا تذکرہ:

اللہ کے محبوب ﷺ کے حزن اور غم کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الشعراء:3)

نمازِ تہجد کا تذکرہ:

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی تہجد کی نماز کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

دائرہ عمل کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائرہ عمل کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کو دنیا میں بھیجا:

﴿ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ (سبا:28)

(تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر)

چنانچہ جہاں تک خدا کی خدائی ہے وہاں تک مصطفیٰ کی مصطفائی ہے۔

فارغ اوقات کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے فارغ وقت کا ذکر بھی قرآن مجید میں فرمادیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ o وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ o ﴾

(الانشراح : 8-7)

[جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہو جائیں تو آپ اپنے رب کی یاد میں

لگ جائیں]

امتِ نبوی کا تذکرہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے، ارشاد فرمایا:

﴿ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ (بقرۃ:143)

حبتِ الٰہی کے حصول کا قرآنی طریقہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو

﴿ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران: 21)

[تم میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کریں گے]

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں لڑکپن کی عمر میں اپنے مدرسے میں پڑھنے جاتا تھا۔ جب ایک گلی میں سے گزرتا تو ایک بوڑھی عورت مجھے دیکھتے ہی مجھے اپنے گھر لے جاتی، مجھے پیار کرتی اور مجھے کھانے پینے کی چیزیں دیتی، کبھی خرچ کرنے کے لیے کچھ پیسے بھی دے دیتی اور ہر بار کہتی کہ بیٹا! پھر بھی میرے پاس آنا۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں اس وقت بچہ تھا اس لیے کچھ وقفہ کے بعد میں اس کے پاس چلا جاتا تھا۔ وہ ہر بار مجھے بہت زیادہ پیار کرتی اور کھانا بھی کھلاتی۔ ایک دن میں نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ اماں! آپ مجھے اتنا پیار کیوں کرتی ہیں؟ آپ مجھے کھلاتی بھی ہیں، پلاتی بھی ہیں اور پیسے بھی دیتی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ سن کر اس عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگی کہ بیٹا! میرا بھی ایک بیٹا تھا جو شکل وصورت میں بالکل تمہارے مشابہ تھا۔ میرا وہ بیٹا فوت ہو گیا۔ جب تم میری آنکھوں کے سامنے آتے ہو تو تمہیں دیکھ کر مجھے اپنا بیٹا یاد آ جاتا ہے، جب میں تمہیں کھلاتی ہوں تو یہ تصور

کرتی ہوں کہ جیسے میں اپنے بیٹے کو کھلا رہی ہوں۔

علما نے لکھا ہے کہ جس طرح ماں اپنے بیٹے کی مشابہت دیکھ کر اس بچے سے پیار کرتی تھی اسی طرح جو شخص سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے گا، رفتار میں، گفتار میں، کردار میں، حتیٰ کہ سب اعمال میں جب یہ بندہ اللہ کے سامنے قیامت کے دن پہنچے گا تو دیکھ کر اللہ رب العزت بھی خوش ہو جائیں گے۔

محبوبِ کل جہاں کی محبت کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی محبت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (الاحزاب:6)

[نبی ﷺ مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں]

یعنی ان کو اپنے آپ سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی محبت انہیں اپنے محبوب سے ہے۔ اور واقعی یہی بات ہے کہ جس بندے کے دل میں ایسی محبت نہ ہو، اس کا ایمان کامل ہی نہیں ہوتا۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

﴿ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾

[تم میں سے کوئی بندہ بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں]

کہنے والے نے کہا:

عجب چیز ہے عشقِ شاہ مدینہ
یہی تو ہے عشقِ حقیقی کا زینہ
ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ
اسی کا ہے. مرنا اسی کا ہے جینا

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے پیارے حبیب ﷺ کا ایسا عشق نصیب فرما دے۔(آمین)

نبی رحمت ﷺ کے احباء کون؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ دعا مانگ رہے تھے تو آپ ﷺ نے دعا میں فرمایا:......اللہ! مجھے میرے احبّا سے جلدی ملا دینا۔

آپ ﷺ کے ایک غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ یہ دعا سن رہے تھے۔ جب آپ ﷺ دعا مانگ چکے تو وہ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! ہم آپ کے غلام بے دام ہیں، ہم ہر وقت خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں، آپ کن لوگوں کے بارے میں دعا مانگ رہے تھے کہ مجھے میرے چاہنے والوں سے جلدی ملا دیں۔تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''ثوبان! تم میرے صحابی ہو اور تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے۔تمہاری محبت کا میں قدردان ہوں، لیکن ثوبان رضی اللہ عنہ! تم نے جبرئیل کو اترتے دیکھا، تم نے میرا دیدار کیا، تم نے قرآن اترتے دیکھا، تم نے اللہ کی مدد کو اترتے دیکھا، ثوبان! تمہاری محبت بھی قابل قدر ہے۔لیکن قرب قیامت میں ایک ایسا وقت آئے گا کہ جب ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا، وہ فقط اپنے علماء کی محفلوں میں بیٹھتے ہوں گے، ان سے وہ میرے تذکرے سنیں گے، میرے تذکرے سن کر ان کو مجھ سے ایسی محبت ہو جائے گی کہ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ اپنی اولادوں کو بیچ دیتے اور اس

کے بدلے میرا دیدار کر سکتے۔ میں ان اپنے چاہنے والوں کے لیے اداس ہوں اور میں دعا مانگ رہا ہوں، اللہ! مجھے ان چاہنے والوں سے جلدی ملا دینا۔''

لہٰذا وہ خوش نصیب جن کے سینے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے لبریز ہیں۔ ان کے لیے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں مانگی ہوئی ہیں۔

پُرانوار زندگی کی قسم:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک کی قسم کھائی ہے...... ذرا توجہ فرمایئے...... چنانچہ فرمایا:

﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾(الحجر:72)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی، پھولوں سے زیادہ معطر اور پاکیزہ زندگی تھی، کامل اور مکمل زندگی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی پُرانوار زندگی کی قسم کھائی ہے۔

مبارک شہر کی قسم:

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے شہر کی بھی قسم کھائی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ o وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ o﴾ (البلد:2-1)

[میں اس شہرِ مکہ کی قسم کھاتا ہوں اور آپ کیلیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے]

اب ذرا محبت کا اندازہ لگایئے کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک کی بھی قسم کھائی اور جس شہر میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا اس شہر کی بھی قسم کھائی۔

محبوب ﷺ کا ذکر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا! اے میرے پیارے حبیب ﷺ!

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح :4)

[اور ہم نے آپ کا ذکر بلند فرمایا]

اچھا، ذرا اس کی تفصیل سن لیجئے۔

...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ اذان میں

...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ اقامت میں

...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر مبارک نماز میں

...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر قرآن میں

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کا ذکر کتنا بلند فرمایا:

چاردانگِ عالم میں ذکرِ نبوی کی گونج:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہمارے ملک میں فجر کی اذان ہوتی ہے تو پہلے مشرق کی سمت کے شہروں میں ہوتی ہے۔ پھر دس پندرہ منٹ کے وقفے سے مغرب کی سمت کے شہروں میں اذانیں ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد اور آگے، پھر اور آگے۔ اس طرح آدھے پونے گھنٹے تک پورے ملک میں فجر کی اذانیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے ایک مسجد میں، پھر دوسری مسجد میں، پھر تیسری میں۔

سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور انڈونیشیا، ملائشیا اور اس کے جزائر میں صبح صادق کے بعد وہاں جر کی اذانیں ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ فرض کریں کہ ان ملکوں میں آدھے گھنٹے تک فجر کی اذانیں ہوتی رہیں۔ جب وہاں فجر کا وقت ختم ہوگیا تو ان سے اگلے قریبی ملکوں میں فجر کا وقت شروع ہوگیا، وہاں مسلمانوں نے اذانیں دینا شروع کر دیں۔ پھر آگے سورج آیا تو اگلے ملکوں میں اذانیں آنا شروع ہوگئیں۔ تو جیسے جیسے سورج آگے چلتا گیا، سحر ہوتی گئی اور لوگ اذانیں دیتے گئے۔ اذانیں

ہوتے ہوتے پھر ہمارے ملک پاکستان میں وقت آ گیا، یہاں اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔ پھر اس کے مغرب میں متحدہ عرب امارات میں ایک گھنٹے کے فرق سے اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔ سعودی عرب میں دو گھنٹے کا فرق ہے۔ پھر آگے جائیں تو اور زیادہ فرق ہو جاتا ہے، یورپ اور ہمارا پانچ گھنٹے کا فرق ہے۔ اور اگر ملائشیا اور انڈونیشیا سے یہاں تک کا فرق دیکھا جائے تو یہ آٹھ دس گھنٹے کا فرق بن جاتا ہے۔

پتہ یہ چلا کہ ایک طرف سے اذانوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ان لوگوں نے اذانیں دیں، پھر اگلے لوگوں کے ہاں وقت ہو گیا و رانہوں نے شروع کر دیں، پھر اگلوں نے شروع کر دیں، یہ سلسلہ چلتے چلتے آٹھ دس گھنٹے پوری دنیا میں فجر کی اذانیں ہوتی رہیں۔ جب مغرب میں اذانیں ہو رہی تھیں اس وقت ادھر مشرق میں ظہر کا وقت ہو گیا اور انہوں نے ظہر کی اذانیں شروع کر دیں۔ اب ظہر کی اذان چلتی رہی۔ ابھی ظہر کی اذان ختم نہیں ہوئی تھی کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ ابھی عصر شروع ہو کر چلتی رہی کہ اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا پھر مغرب شروع ہوئی، چلتی جا رہی تھی کہ عشاء کا وقت ہو گیا۔ پھر عشا کی اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔ ابھی عشا کی اذانیں مغرب میں ہو رہی تھیں کہ مشرق میں پھر فجر کی اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔

معلوم ہوا کہ پوری دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ جہاں مسلمان اذان میں اللہ کا نام نہ بلند کر رہے ہوں اور اذان میں اللہ کے حبیب ﷺ کا تذکرہ نہ کر رہے ہوں۔

﴿ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾

[اے میرے پیارے حبیب! ہم نے آپ کا ذکر بلند فرما دیا]

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے

وہ ہیں بے شک بشر لیکن تشہد میں اذانوں میں
جہاں دیکھو خدا کے نام کے بعد ان کا نام آئے
بروزِ حشر جب نفسا نفسی کا سماں ہو گا
وہاں وہ کام آئیں گے جہاں کوئی نہ کام آئے

رضائے نبوی کی تکمیل:

سنیے! اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب ﷺ!

﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾

[اور عنقریب تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا]

جیسے دینے والا اتنا دے کہ لینے والے کے دامن سے بڑھ جائے تو وہ بس بس کرتا ہے، بالکل یہی مفہوم بنتا ہے کہ اے میرے پیارے حبیب ﷺ! آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ بس بس کریں گے۔ جب یہ آیت اتری تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ میں آپ کو راضی کروں گا، اور یہ بھی بتلا دیا کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ میرا آخری امتی بھی جنت میں نہ چلا جائے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک ایسی دعا مانگنے کا اختیار دیا کہ جیسے مانگیں گے ویسے ہی قبول کر لی جائے گی۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا آپ کو بھی اختیار ملا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مجھے بھی اختیار دیا ہے۔ وہ صحابی پوچھتے ہیں کہ اے اللہ کے نبی! پھر آپ نے بھی دعا مانگی ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں نے دعا نہیں مانگی، میں نے اس کو قیامت کے دن کے لیے ذخیرہ بنا لیا ہے۔ میں اس دن دعا مانگوں گا اور امت کے ہر خطا کار کو لے کر جنت میں جاؤں گا...... اللہ اکبر کبیرا!

حضرت مجدد الفِ ثانی ؒ اور مِدحتِ نبوی:

ہمارے اکابر نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں ایسا جامع کلام کہا ہے کہ ایک ایک فقرے میں بات کو مکمل کر دیا۔ چنانچہ امامِ ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی ؒ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''میں اللہ کی عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کے پروردگار ہیں۔''

علما نے لکھا ہے کہ حضرت نے ایک ہی فقرے میں حمد اور نعت کو اکٹھا کر دیا۔ اللہ کی حمد بھی اس سے ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پروردگار ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کی عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کے پروردگار ہیں۔

خواجہ مظہر جان جاناں ؒ اور نعت نبوی:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت خواجہ مظہر جان جاناںؒ، انہوں نے ایک ہی شعر میں پوری بات کو سمیٹ دیا۔ چنانچہ ذرا تمہید کے ساتھ وہ شعر سن لیجیے۔ حضرت فرماتے ہیں۔

خدا در انتظار حمد ما نیست

[اللہ تعالیٰ ہماری حمد کے انتظار میں نہیں]

محمد چشم براہ ثنا نیست

(محمد ﷺ ہماری تعریف کے منتظر نہیں ہیں)

خدا مدح آفرین مصطفےٰ بس

(اللہ رب العزت مصطفےٰ ﷺ کی مدح کرنے کے لیے کافی ہے)

محمد حامد حمد خدا بس

(محمد ﷺ اللہ کی حمد بیان کرنے کے لیے کافی ہیں)

منا جاتے اگر باید بیاں کرد

(اگر تم نے اپنی کوئی درخواست پیش بھی کرنی ہے تو)

بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد

(پھر ایک شعر کی صورت میں پیش کردو)

وہ شعر یہ ہے:

محمد از تو می خواہم خدارا

(اے محمد ﷺ! میں آپ سے اللہ تعالیٰ کا قرب مانگتا ہوں)

خدایا از تو حبِ مصطفیٰ را

(اے اللہ! میں آپ سے مصطفیٰ کریم کی محبت مانگتا ہوں)

آیاتِ قرآنی اور حیاتِ نبوی کی حیران کن تطبیق:

حضرت قاری محمد طیب ؒ نے آیاتِ قرآنی کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ کے ساتھ عجیب انداز میں تطبیق فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

قرآن مجید پڑھو تو یوں لگتا ہے کہ:

ذات وصفات کی آیات......احوالِ نبوی

تکوین کی آیات......استدلالِ نبوی

توجہ الی اللہ کی آیات......خلوتِ نبوی

تربیتِ خلق کی آیات......جلوتِ نبوی

مہر کی آیات......جمالِ نبوی

قہر کی آیات......جلالِ نبوی

تجلیاتِ حق کی آیات......مشاہدۂ نبوی

ابتغاءِ وجہ اللہ کی آیات ...... مراقبہ ءِ نبوی

ترکِ دنیا کی آیات ...... مجاہدہ ءِ نبوی

احوالِ محشر کی آیات ...... محاسبہ ءِ نبوی

نفی غیر کی آیات ...... فنائیتِ نبوی

اثباتِ حق کی آیات ...... بقائیتِ نبوی

نعیم جنت کی آیات ...... شوقِ نبوی

عذابِ جہنم کی آیات ...... خوفِ نبوی

انعام کی آیات ...... انسِ نبوی

انتقام کی آیات ...... حزنِ نبوی

لہٰذا اگر قرآن ایک طرف کلام اللہ ہے تو دوسری طرف سیرت رسول اللہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں مصطفےٰ کریم ﷺ کی محبت عطا فرمادے اوران کی اتباع کامل کی توفیق عطا فرمادے (آمین)

ما ان مدحت محمدا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد ا

(میں نے اپنی بات کے ذریعے نبی کی تعریف نہیں کی بلکہ نبی کے ذکر کے طفیل اپنی بات کو خوبصورت بنایا ہے)

واخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العلمین
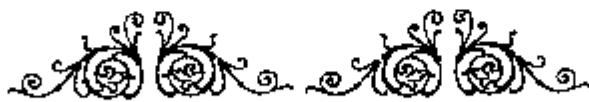
﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾

(آل عمران:۱۹)

اسلام کی قدر پہچانیے

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: میک اینڈ ریز فیکٹری لاہور

بتاریخ: 27اپریل 2008ء

اقتباس

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ہم ڈاؤن فیل کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔نہیں، آج ہم ذرا اس بات کو Evaluate (غور) کریں گے کہ دینِ اسلام اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ہمیں اس بات کا پکا یقین ہونا چاہیے کہ ہمارے ہاتھ میں سونا ہے۔کفر اپنی طاقت کی بنیاد پر جو اِس کو پیتل ثابت کرنا چاہتا ہے، ایسا ہر گز نہیں ہے۔کمزور ہونا ایک الگ چیز ہے اور ہاتھ میں سونا ہونا ایک الگ چیز ہے۔کم از کم ہم اس کی ویلیو کو تو سمجھیں نا۔اگر ویلیو کو ہی نہ سمجھے تو پھر انسان دین سے بیزار ہو جاتا ہے، کہ جی ہم نے کیا طریقۂ زندگی اپنایا ہوا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اسلام کی قدر پہچانیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام ﴾ (الِ عمران: 19)
و قال تعالیٰ فی مقام آخر
﴿ وَ مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ (الِ عمران: 85)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

جسمِ انسانی، ضدّین کا مجموعہ:

انسان اللہ رب العزت کی قدرت کا شاہکار ہے، یہ مختلف اعضا کا مجموعہ ہے۔ اگر ہم غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر عضو دوسرے عضو سے اپنی صفات میں مختلف ہے۔ گویا یہ جسم ضدین کا مجموعہ ہے۔ مثال کے طور پر آنکھ دیکھ سکتی ہے، باقی سارا جسم نہیں دیکھ سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ کان سن سکتے ہیں، باقی پورا جسم نہیں سن سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ زبان بول سکتی ہے، باقی پورا جسم نہیں بول سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ گویا انسان ایسے اعضا سے مل کر بنا ہے جو اپنی Characteristics (خصوصیات) میں ایک دوسرے سے بالکل (مختلف) ہیں۔

اللہ رب العزت نے اس ضدین کے مجموعہ میں ایک نعمت بھیج دی، جسے روح

کہتے ہیں۔وہ روح ان تمام اعضا کو ایک بنا دیتی ہے، ان میں جوڑ پیدا کر دیتی ہے، ان کو اکٹھا کر دیتی ہے اور یہ اعضا ایک بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ چنانچہ جسم میں جب تک روح ہے، اس وقت تک اعضا ایک بن کر کام کرتے ہیں۔ کبھی سر میں درد ہو تو پاؤں ڈاکٹر کے پاس جانے سے انکار نہیں کریں گے۔ یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ یہ میرا پرابلم نہیں ہے، یہ تو سر کا پرابلم ہے۔سر میں درد ہو گا تو پورے جسم میں درد ہو گا۔ پاؤں ڈاکٹر کے پاس چل کر جائیں گے، درد شدید ہو گا تو آنکھیں آنسو بہائیں گی اور پورا جسم بے قرار ہو گا۔ پاؤں ڈاکٹر کے پاس چل کر جائیں گے، درد شدید ہو گا تو آنکھیں آنسو بہائیں گی اور پورا جسم بے قرار ہو گا جس کی وجہ سے نیند بھی نہیں آسکے گی۔گویا ایک عضو کا غم پورے جسم کا غم اور ایک عضو کی خوشی پورے جسم کی خوشی ہو گی......وجہ کیا ہو گی؟......کہ یہ سب اعضا ایک بن چکے ہیں۔اب ان میں Co-ordination (ربط) ہو چکی ہے، Integration (جوڑ) ہو چکی ہے۔یعنی روح نے سب کو یکجا کر دیا ہے۔

اگر بالفرض جسم سے روح کو نکال دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ سب اعضا ایک دوسرے سے اجنبی ہو جائیں گے۔جس آدمی کے جسم سے روح نکل چکی ہو، آپ اس کی زبان کھینچ کر چھری سے دو ٹکڑے کر دیں تو آنکھ میں کوئی آنسو نہیں آئے گا، ہاتھ بھی Protection (حفاظت) کے لیے نہیں اٹھیں گے، پاؤں بھی اپنے آپ کو بچانے کے لیے نہیں بھاگیں گے۔اس لیے کہ وہ سب ایک دوسرے سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔جس چیز نے سب کو ایک بنایا تھا وہ جسم سے نکل گئی ہے۔

گھریلو زندگی میں مجموعۂ ضدین:

اگر ہم اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے گھروں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ ہمارے گھر ایسے افراد کا مجموعہ ہیں جو حیثیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے

بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً: جو باپ کی حیثیت ہے وہ گھر کے کسی دوسرے فرد کی نہیں ہو سکتی، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ جو ماں کی حیثیت ہے وہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی، بہن کی حیثیت بھائی نہیں لے سکتا، بھائی کی حیثیت بہن نہیں لے سکتی۔ ہر ایک کی اپنی اپنی Identity (حیثیت) ہے۔ چنانچہ یہ افراد اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کی ضد ہوئے،۔

لیکن اللہ رب العزت نے ان میں بھی ایک نعمت کو اتارا ہے، جس کی موجودگی میں یہ سب افراد اس طرح ایک بن کر کام کرتے ہیں جس طرح روح کی موجودگی میں جسم کے تمام اعضا ایک بن کر کام کرتے ہیں...... اس نعمت کا نام ہے ''دین اسلام''...... جب تک گھر کے تمام افراد کے اندر دین رہے گا، آپس میں الفتیں ہوں گی، محبتیں ہوں گی، ہمدردی ہوگی، ایثار ہوگا۔ ایک فرد کا غم پورے گھرانے کا غم ہو گا اور ایک فرد کی خوشی پورے گھرانے کی خوشی ہوگی۔ سب ایک بن کر کام کریں گے۔ اور اگر اس دین کو نکال دیا جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ گھر کے افراد ایک گھر کے افراد ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے اجنبی ہوں گے۔ دلوں میں محبتیں اور الفتیں نہیں ہوں گی بلکہ عداوتیں اور نفرتیں ہوں گی اور کینہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا کھانا بھی پسند نہیں ہوگا۔

اگر ایک آدمی جس کی روح نکل گئی، اس کے منہ کو Air tight (ہوابند) کر دیا جائے اور ناک کے ذریعے اس کے جسم کے اندر ہوا کو پمپ کر دیا جائے تو کیا جسم زندہ ہو جائے گا؟ کبھی بھی زندہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کے گھر کے اندر سے دین نکل جائے اور اس میں Man-made (انسان کے بنائے ہوئے) اصول ڈال دیے جائیں تو کیا گھر کے افراد کے اندر وہ الفتیں اور محبتیں پیدا ہو جائیں گی؟ ہر گز پیدا نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح روح نے جسم کو زندہ رکھا اسی طرح دین ہمارے گھر

کے افراد کی زندگی کا باعث ہے۔ گویا یہ کہا جائے گا کہ یہ زندہ گھرانہ ہے۔

جسم کا بازو اگر یہ سوچے کہ میں جسم کے ساتھ بندھا ہوا ہوں، میں جسم سے الگ ہو جاؤں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور میں اپنی مرضی کا مالک بن جاؤں گا، تو کیا بازو کی یہ سوچ ٹھیک ہو گی؟۔۔۔ ہرگز نہیں، اس کی زندگی جسم کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے۔ اگر یہ جسم سے جدا ہو گا تو پھر یہ بے جان بن جائے گا، پھر اس میں کیڑے پڑیں گے، پھر اس کو گلی کے کتے چوسیں اور پچھوڑیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی نوجوان یہ سوچے کہ گھر کے اندر والدین کے ساتھ رہتے ہوئے تو میں بندھا ہوا ہوں، لہٰذا میں الگ زندگی گزارتا ہوں، اور یہ سوچ کر اپنی پوری فیملی سے الگ ہوا تو اس کا بھی وہی حال ہو گا۔ شیطانوں کی شکل میں جو انسان پھرتے ہیں وہ بھی اس کو گلیوں کے اندر گھسیٹیں گے اور بالآخر اس کا بھی وہ حشر ہو گا جو جسم سے جدا ہونے والے بازو کا ہوتا ہے۔

دو چیزوں کے جوڑنے کے دنیاوی ضابطے:

اسی بات کو میں ایک اور زاویے سے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اللہ رب العزت نے اس دنیا میں دو چیزوں کو جوڑنے کے لیے کسی نہ کسی تیسری چیز کو بنایا ہے۔ مثال کے طور پر:

⊙ ...... دو اینٹوں کو جوڑنے کے لیے اللہ رب العزت نے سیمنٹ کو بنا دیا۔ آپ سیمنٹ اپلائی کریں تو دو اینٹیں بالکل یک جان ہو جائیں گی۔ اگر ان کو الگ کرنا چاہیں تو وہ ٹوٹ جائیں گی لیکن پوری کی پوری ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی۔

⊙ ...... اگر کاغذ کے دو ٹکڑے آپس میں جوڑنے ہوں تو سیمنٹ کام نہیں آئے گا۔ اس مقصد کے لیے اگر آپ گلو استعمال کریں تو کاغذ کے دو ٹکڑے آپس میں بالکل یک جان ہو جائیں گے۔

⊙......اگر کپڑے کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو نہ سیمنٹ کام آئے گا اور نہ ہی گلو کام آئے گی، وہاں سوئی دھاگہ استعمال کرنا پڑے گا۔ سوئی دھاگے کو استعمال کرنے سے یہ دونوں ٹکڑے اس طرح اکٹھے ہو جائیں گے کہ بالکل یک جان بن جائیں گے۔

⊙......اگر لکڑی کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو وہاں سیمنٹ یا سوئی دھاگہ بھی کام نہیں آئے گا، اللہ نے اس کے لیے کیل بنا دیا۔ آپ کیل گاڑیے، اس سے لکڑی کے دو ٹکڑے آپس میں جڑ کر یک جان ہو جائیں گے۔

⊙......اور اگر لوہے کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو اللہ رب العزت نے ویلڈنگ کو بنا دیا۔ آپ ان دونوں کو ویلڈ کر دیجیے، وہ بالکل یک جان ہو جائیں گے۔

دو دلوں کا جوڑ دین اسلام سے:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دو انسانوں کے دلوں کو یک جان کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کس چیز کو بنایا ہے؟...... اس کا جواب ہے ''دینِ اسلام''۔

اگر دو بندے دین پر عمل کرنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفتیں اور محبتیں پیدا کر دے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾

[بے شک جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں محبتیں بھر دیں گے]

نفرتیں کب آتی ہیں؟...... جب دین پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے۔ ہم نام تو دین کا استعمال کر رہے ہوتے ہیں اور مرضی اپنی چلا رہے ہوتے ہیں۔ وہاں آکر پھر دلوں کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ وہ محبتیں نہیں ہوتیں جو ہونی چاہییں تھیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب!

﴿ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ﴾ (الانفال: 63)

''اگر آپ زمین میں جو کچھ خزانے ہیں سب خرچ کر دیتے آپ ان لوگوں کے دلوں میں وہ محبتیں پیدا نہیں کر سکتے تھے، یہ تو اللہ نے ان کے دلوں کے اندر محبتیں پیدا فرما دی تھیں''

تو دینِ اسلام پر جہاں عمل ہو رہا ہوتا ہے وہاں اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہاں آپس میں دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبتیں ہوں گی، الفتیں ہوں گی اور ہمدردی ہوگی۔ جس گھر کے اندر دینِ اسلام پر عمل کیا جائے گا اس گھر کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ بہت Closely Connected (مضبوطی سے جڑے) ہوں گے۔ پھر ایسا نہیں ہوگا جیسا کہ اب باپ آ کر کہہ رہا ہوتا ہے، حضرت صاحب! جی پتہ نہیں بیٹا میرے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کیوں نہیں کھاتا! حضرت صاحب! دعا کریں، بچے تو افلاطون بن گئے ہیں، ان کی ایک دوسرے کے ساتھ بنتی ہی نہیں ہے۔ جب ایک کی دوسرے کے ساتھ نہیں بنتی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت و سنت پر عمل کرنے میں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہو رہی ہے۔

Something is seriously wrong somewhere.

(کہیں ضرور کوئی گڑبڑ ہے)

جس کی وجہ سے وہ محبتیں نہیں ہیں جو ہونی چاہییں تھیں۔

اگر خاوند کہتا ہے کہ بیوی مجھے وہ محبت نہیں دیتی جو میں Expact (امید) کرتا ہوں، بیوی کہتی ہے کہ خاوند مجھے وہ محبت نہیں دیتا جو میں Expact (امید) کرتی ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں دین پر عمل کرنے میں کہیں نہ کہیں کوئی فرق ہے۔ اگر دونوں طرف سے دین پر عمل ہوگا تو دلوں میں الفتیں اور محبتیں ہوں گی۔

دینِ اسلام......ایک نعمت غیر مترقبہ:

یہ دین اللہ رب العزت کی ایک نعمت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾

(المائدہ: 3)

[آج کے دن تمہارے لیے دین مکمل کر دیا گیا اور میں نے اپنی نعمت تمہارے اوپر مکمل کر دی]

لہٰذا دین اسلام اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ یہ زندگی گزارنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے، دنیا میں اس سے بہتر زندگی گزارنے کا طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مال دولت اور پیسے سے انسان جسم تو خرید سکتا ہے، کسی دل کی محبت تو نہیں خرید سکتا۔ مال سے انسان کسی بندے کی خوشامد تو خرید سکتا ہے مگر کسی کے دل کی چاہت کو تو نہیں خرید سکتا۔ یہ دل کی محبت اور چاہت کا تعلق دین کے ساتھ ہے۔ جب دین پر عمل ہوگا تو اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر محبتوں کو بھر دیں گے، اور جب دل محبتوں سے بھرے ہوتے ہیں تو یہ دنیا کی زندگی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

شاخ نازک پر ناپائیدار آشیانہ:

آج آپ اکثر یہ بات سنتے ہیں کہ دنیا میں اس وقت تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ کیا مطلب؟......مطلب یہ کہ ایک طرف دین اسلام ہے، یہ انسان کو زندگی گزارنے کا ایک طریقہ بتا رہا ہے۔ اور دوسری طرف کفر کے پاس Man-made Laws (انسان کے بنائے ہوئے قوانین) ہیں، جو ان کو زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں طرح کے طریقہ ہائے زندگی ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا رہے ہیں۔ اس کو جو مرضی نام دے دیجیے، مگر حقیقت یہ ہے کہ

اس وقت پوری دنیا میں دو ہی طریقہ ہائے زندگی نظر آ رہے ہیں۔ ایک ایمان والوں کے پاس طریقہء زندگی ہے جو اللہ رب العزت نے بھیجا ہے، اور وہ طریقہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یہ ایسا طریقہء زندگی ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی یقین دہانی کراتا ہے۔ اور دوسرا کفر کے پاس وہ طریقہء زندگی ہے جو انہوں نے Hit and Trial method سے وضع کیا۔ یعنی ان کے ذہن میں کوئی بات آئی کہ زندگی میں ایسے اصول بنا لیتے ہیں، اس کی بنیاد پر انہوں نے وہ اصول بنا لیے، تو صاف ظاہر ہے کہ

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

سونے کو سونا سمجھیے، پیتل نہیں:

آج آپ لکھے پڑھے لوگ سامنے موجود ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو Trilliuns of brain cell (دماغ کے کروڑوں خلیے) دیے ہیں۔ آپ کے پاس دنیا کی تعلیم ہے، آپ میچور لوگ ہیں اور آپ سوسائٹی کے Responcible (ذمہ دار) لوگ ہیں۔ آپ کے سامنے جب یہ بات آتی ہے تو اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ہم ڈاؤن فیل کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ نہیں، آج ہم ذرا اس بات کو Evaluate (غور) کریں گے کہ دینِ اسلام اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہمیں اس بات کا پکا یقین ہونا چاہیے کہ ہمارے ہاتھ میں سونا ہے۔ کفر اپنی طاقت کی بنیاد پر جو اس کو پیتل ثابت کرنا چاہتا ہے، وہ بات ہرگز نہیں ہے۔ کمزور ہونا ایک الگ چیز ہے اور ہاتھ میں سونا ہونا ایک الگ چیز ہے۔ کم از کم ہم اس کی ویلیو تو سمجھیں نا۔ اگر ویلیو کو ہی نہ سمجھے تو پھر انسان دین سے بیزار ہو جاتا ہے، کہ جی ہم نے کیا طریقہء زندگی اپنایا ہوا ہے۔ چنانچہ میں آج آپ کے سامنے چند ایسی باتیں بیان کروں گا جن کو بنیاد بنا کر آپ طریقہ ہائے زندگی کو کمپیئر (موازنہ) کر سکتے ہیں۔ ذرا توجہ

فرمائیے!

(۱) ایمان باللہ کا تصور

دینِ اسلام ہمیں ایمان لانا سکھاتا ہے۔ یہ ہمیں ایک تصور دیتا ہے کہ ہمارا ایک پروردگار ہے، جس نے ہمیں پیدا کیا اور قیامت کے دن ہمیں اس پروردگار کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اگر نیکی کریں گے تو انعام کے مستحق ہوں گے اور اگر برائی کریں گے تو قیامت کے دن سزا پانے والے بنیں گے۔ یہ تصور اتنا عجیب ہے کہ انسان کی زندگی کے بڑے بڑے مسائل اس تصور سے حل ہو جاتے ہیں۔

ٹینشن سے نجات:

آپ ذرا غور کیجیے! ایک جواں سال لڑکی ہے۔ بائیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی۔ شادی کے چند مہینے بعد اس کا شوہر کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ فوت ہو گیا۔ اب وہ جوانی میں بیوہ ہوگئی۔ اس کی زندگی میں اس سے بڑی مصیبت تو اور کوئی نہیں آسکتی نا، کہ وہ اس عمر میں بیوہ ہو چکی ہے۔ لیکن اگر وہ مسلمان ہے تو آپ اس سے جا کر افسوس کریں کہ آپ کے خاوند کی وفات ہوگئی، تو آگے سے جواب دے گی کہ جی جو اللہ کی مرضی...... جب اس لڑکی نے آگے سے یہ جواب دیا، جو اللہ کی مرضی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کا سارے کا سارا بوجھ کسی اور طرف فٹ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کے اپنے دماغ کے اوپر بوجھ نہیں ہوتا، وہ ٹینشن نہیں ہوتی جو ایک کافر کے پاس ہوتی ہے۔

نیویارک میں سات سو پاگل خانے کیوں؟

ایک بیرون ملک میں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا، جی پاکستان میں کتنے پاگل خانے ہیں؟...... میں نے کہا کہ دو چار یا پانچ دس ہوں گے اور ہمیں تو یہ بھی نہیں

پتہ کہ وہ کس کس شہر میں ہیں اور کس کس شہر میں نہیں ہیں۔ وہ کہنے لگا، کیا آپ کو پتہ ہے کہ نیو یارک کے ایک شہر کے اندر سات سو ایسے ہاسپٹل ہیں، یا میڈیکل ٹریٹمنٹ کے ایسے سنٹرز ہیں جہاں پاگلوں کا علاج کیا جاتا ہے؟...... میں سن کر حیران ہوا کہ ایک شہر میں سات سو پاگل خانے ہیں اور ہمارے ملک میں مشکل سے پانچ دس! وہ کہنے لگا: کیا آپ کو پتہ ہے کہ یہ فرق کیوں ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے ہاں اللہ کا تصور ہے، لہٰذا جب بھی ہم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ہم اس کو اللہ کی طرف شفٹ کر دیتے ہیں، جی اللہ کی مرضی، اور یہاں پہ چونکہ وہ تصور نہیں ہے اس لیے یہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں جب ایک آدمی کا بزنس فلاپ ہو جاتا ہے، تو وہ بیٹھ کر سوچتا ہے۔ اوہو! میں نے ایڈورٹائزمنٹ ٹھیک نہیں کی، میں نے مارکیٹنگ پہ توجہ نہیں دی، میں نے یہاں بھی کوتاہی کی اور وہاں بھی کوتاہی کی، اس طرح سارا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ اس لیے مینٹل ٹینشن کی وجہ سے وہ پاگل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پاگل ہونے کی شرح یہاں اتنی زیادہ ہے کہ ایک شہر میں سات سو پاگل خانے چاہییں۔

دیکھیے کہ یہ کتنی اعلیٰ نعمت ہے۔ یہاں کسی کو گھاٹا پڑ گیا، یا کسی کا کوئی بڑا Closed Loved One (انتہائی پیارا) تھا جو فوت ہو گیا، تو کہا جاتا ہے کہ جی اللہ کی مرضی۔ یہ اللہ کی مرضی کہنے پر جتنا بوجھ تھا وہ سارے کا سارا کہیں اور شفٹ ہو گیا۔ تو ایمان کی نعمت نے انسان کو پاگل ہونے سے بچا لیا۔ سبحان اللہ

ایمان باللہ کا ثمر:

یہ ایمان کی نعمت بندے کو نیکی پر زندگی گزارنے کی تعلیم دیتی ہے۔ مجھے ایک مرتبہ امریکہ کی ایک ریاست میں جانے کا موقع ملا۔ وہاں کے خطیب و امام کے ہاں ہم بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ میں یہاں اتوار کے دن جیل میں جاتا

ہوں اور وہاں کے لوگوں کو دین کی دعوت دیتا ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مقامی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ وہاں کے جو کریمنل مائینڈڈ (مجرمانہ ذہنیت کے) لوگ ہیں، وہ سزاؤں سے سیدھے نہیں ہوتے، ہاں اگر ان میں سے کوئی دین پر آجائے تو اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔اس لیے انہوں نے اس کی پرمیشن (اجازت) دے دی کہ جس مذہب کا بھی بندہ چاہے وہ آکر ان کو تعلیم دے تاکہ یہ بگڑے ہوئے لوگ اچھے شہری بن کر زندگی گزار سکیں۔

میں نے ان سے ایک سوال پوچھا: آپ اپنی زندگی میں پیش آنے والا کوئی اچھا واقعہ مجھے بتائیں؟ کہنے لگا کہ حضرت! واقعات تو بہت ہیں کہ ٹائم کم ہے، نماز کا وقت ہو رہا ہے، پھر آپ کا بیان بھی ہونا ہے، لہٰذا میں آپ کو صرف ایک واقعہ سناتا ہوں۔

ایک آدمی کو گرفتار کر کے جیل میں لایا گیا۔ میں نے اس کے سامنے دینِ ایمان کی بات کی اور وہ کچھ دنوں میں مسلمان ہو گیا اور میں نے اس کا نام علی رکھا۔ اب میں نے اس کو دین کی بنیادی باتیں سکھانی شروع کیں۔حتی کہ ہمارے درمیان بہت محبت ہو گئی۔ہم ایک دوسرے سے بہت کلوز ہو گئے۔ کچھ مہینوں کے بعد ہم اپنی ذاتی باتیں بھی ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرنے لگ گئے۔ایک دن میں نے اس سے ایک سوال پوچھا۔ میں نے کہا: برادر علی! مجھے یہ بتائیں کہ اسلام لانے سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد تمہیں اپنی زندگی میں کیا تبدیلی محسوس ہو رہی ہے؟...... میرا یہ سوال سن کر اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے اس سے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ چنانچہ میں نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ اگر آپ اچھا فیل نہیں کر رہے تو بے شک بات نہ کریں۔ وہ کہنے لگا: نہیں، میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اسلام لانے سے پہلے میں ایک نفسیاتی مریض تھا، ایک وحشی انسان تھا، بلکہ انسان کی شکل میں ایک پکا حیوان تھا۔ مجھے دوسرے انسانوں کو قتل کر کے مزہ آتا تھا اور جب

ان کی لاشیں تڑپتی تھیں تو میں ڈانس کرتا تھا۔ ابھی تو میں چھوٹے جرم سے آیا ہوں لہٰذا چند مہینوں کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں چھتیس (36) انسانوں کو بغیر کسی وجہ کے قتل کر چکا ہوں۔ مجھے جہاں بھی موقع ملتا تھا میں بندے کو قتل کر دیتا تھا اور اسے تڑپتا ہوا دیکھتا تھا۔ میں اتنا نفسیاتی مریض تھا کہ میں ان کو دیکھ کر ڈانس کرتا تھا۔ میں کسی بھی قتل کے جرم میں پکڑا نہیں گیا۔ اسلام لانے سے پہلے میری یہ حالت تھی۔ اسلام لانے کے بعد تم نے مجھے خدا کا تصور دیا، قیامت کا تصور دیا اور بتایا کہ قیامت کے دن انسان کی زندگی کے اعمال کو تولا جائے گا۔ اس ایک تصور نے میری زندگی میں اتنی تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ جب بھی میں اپنے کمرے سے باہر نکلتا ہوں تو میں قدم رکھتے ہوئے خیال کرتا ہوں کہ پاؤں کے نیچے کوئی چیونٹی بھی نہ آ کر مرنے پائے۔ یہ دینِ اسلام کا تصور ہے۔ یہ ایمان ہے کہ وہ بندہ جو کفر کی حالت میں چھتیس بے گناہ انسانوں کو قتل کر چکا تھا، جب دین کے اندر داخل ہوا تو اب چیونٹی کے مرنے کا بھی خیال کرتا ہے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے! یہ دین اسلام کا ثمر اور پھل ہے۔

(۲) ماں باپ کا تصور

یہ 1972ء کی بات ہے۔ ہمارے ایک پروفیسر تھے ڈاکٹر اقبال علی۔ ایک مرتبہ وہ ہمیں سول انجینئرنگ کا لیکچر دے رہے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے یوکے سے پی ایچ ڈی کی۔ وہاں ایک مرتبہ میں اپنے دوست کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سیکرٹری نے کہا: جی آپ کی ہاسپٹل سے کال ہے...... اب ہم لوگوں کا مائنڈ سیٹ کچھ ایسا ہے کہ ہاسپٹل کا نام آئے تو فوراً پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا؟ ...... چنانچہ جب اس نے کال سنی تو میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ بتاؤ! کہنے لگا میرے والد ہسپتال میں داخل تھے، مجھے ڈاکٹر کا فون آیا کہ وہ

ایکسپائر ہو گئے ہیں۔ ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے، اب بتائیں کیا کریں؟ میں نے انہیں فون پر ہی کہہ دیا ہے کہ آپ لاش سمٹری سروسز (تدفین کرنے والی کمپنیوں) کے حوالے کر دیں، وہ ان کو دفن کر دیں گے اور بل مجھے بھیج دیں گے، بعد میں میں اس کی پے منٹ کر دوں گا۔ وہ کہنے لگے: میں حیران تھا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کا چہرہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا! ایک تصور یہ بھی ہے زندگی کا۔

کفار کے معاشرے میں ماں کی حیثیت:

کنیکٹی کٹ امریکہ کی ایک ریاست ہے۔ وہاں پر ماں نے اپنے جوان بیٹے پر مقدمہ کر دیا۔ یہ مقدمہ میڈیا پر دکھایا گیا اور اس کی کروسیڈنگ پوری دنیا نے دیکھی۔ ماں نے کہا تھا کہ میرا شوہر مر چکا ہے، میں اپنے جوان بیٹے کے ساتھ گھر میں رہتی ہوں اور میرا مقدمہ یہ ہے کہ میرے بیٹے نے ایک کتا پالا ہوا ہے اور یہ روزانہ تین سے چار گھنٹے اس کتے کے ساتھ گزارتا ہے۔ اس کو نہلاتا ہے، اس کو کھلاتا ہے، اس کو جاگنگ کے لیے ساتھ لے کر جاتا ہے اور اس کے ساتھ تین چار گھنٹے گزارتا ہے۔ میں اس کی ماں ہوں، میں اپنے کمرے میں ترستی رہتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے کا ایک مرتبہ چہرہ دیکھ لوں، لیکن پورے دن میں ایک منٹ کے لیے بھی میرے پاس نہیں آتا۔ تو میں عدالت سے رجوع کرتی ہوں کہ وہ میرے بیٹے کو ایڈوائس کرے کہ وہ چند منٹ میرے پاس بھی بیٹھا کرے۔ بیٹے نے بھی وکیل کیا اور ماں نے بھی وکیل کیا۔ مقامی قانون کے مطابق مقدمہ چلا، چنانچہ وہاں کے جج نے یہ فیصلہ سنایا:

''چونکہ اب اس کا بیٹا اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کا ہو چکا ہے لہٰذا اس نے جو کتا پالا ہوا ہے وہ اس کے لیے Liability ہے۔ یعنی کتے کو کھانا کھلانا، نہلانا، لے کر جانا اور اس کی کیئر ٹیکنگ (حفاظت) کرنا، یہ اس کی ذمہ داری ہے کیونکہ اس نے گھر میں Pet (پالتو) جانور رکھا ہوا ہے۔ اور

چونکہ اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ ہو چکی ہے اس لیے اس کے ماں باپ اس کی Liability نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر ماں کو بیٹے کی کوئی ضرورت ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ حکومت سے رجوع کرے، حکومت اس کو اولڈ ایج ہاؤس میں لے جائے گی اور وہاں پر اس کی کیئر ٹیکنگ (حفاظت) ہو جائے گی۔ بیٹے پر ذمہ داری نہیں ہے۔"

اسلامی معاشرے میں ماں باپ کا مقام:

اب سوچیے کہ ایک معاشرہ ماں باپ کا یہ تصور دیتا ہے اور ایک معاشرہ دین اسلام میں ماں باپ کا یہ تصور دیتا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بچہ اپنی ماں یا باپ کے چہرے پر محبت کی ایک نظر ڈالتا ہے، اللہ رب العزت اس کو ایک حج یا ایک عمرہ کرنے کا اجر و ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! اگر کوئی بار بار دیکھے تو؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''جو بار بار دیکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو بار بار حج اور عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔''

اب ذرا غور کیجیے! آخر آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں، ان دونوں قسم کے معاشروں میں Comparison (موازنہ) کریں کہ ان میں سے دینِ اسلام کی تعلیم کس قدر بہتر اور خوبصورت ہے بہ نسبت اس تعلیم کے جو آج کفر دے رہا ہے!

(۳) ازدواجی زندگی کا تصور

میاں بیوی کی زندگی کے بارے میں ایک تصور دینِ اسلام نے دیا ہے اور ایک

تصور کفر دے رہا ہے۔

باہمی الفت ومحبت کا فقدان:

کفر کی زندگی کا تو یہ حال ہے کہ بائیس سال تک میاں بیوی اکٹھے زندگی گزارتے ہیں اور بائیس سال کی ایسوسی ایشن کے بعد اگر کہیں خاوند کو سگریٹ پینے کی ضرورت پیش آئی اور اس کے پاس نہیں تھی تو وہ اپنی بیوی سے ادھار مانگتا ہے اور پھر بعد میں اسے واپس کرتا ہے، اور اگر بیوی کو سگریٹ پینے کی ضرورت تھی، اور خاوند کے پاس ہے تو بیوی اس سے ادھار مانگتی ہے اور پھر وہ اسے ریٹرن کرتی ہے۔ اندازہ کریں کہ بائیس سال کی ایسوسی ایشن کے بعد بھی میاں بیوی کا صرف اتنا سا تعلق ہوتا ہے۔ وہاں میاں بیوی کے درمیان باہمی الفت ومحبت مفقود ہو چکی ہے۔ اس لیے وہاں طلاق کی شرح اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ انہوں نے شادیاں کرنا ہی چھوڑ دی ہیں۔

ایک انجینئرنگ منیجر کی زبوں حالی:

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ایک پراجیکٹ میں ایک منیجر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ہم نے کچھ مشینیں امپورٹ (درآمد) کیں۔ ان کی انسٹالیشن کے لیے ایک انجینئر بھی ساتھ آئے۔ وہ چونکہ باہر سے آئے ہوئے تھے اس لیے ان کے ساتھ کوارڈی نیشن میرا کام تھا۔ ایک دفعہ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ میں نے بتایا کہ اتنے ہیں۔ پھر میں نے اس سے Counter Question (جوابی سوال) کیا کہ آپ کا فیملی سیٹ اپ کیا ہے؟ کتنے بچے ہیں؟ کہنے لگے، میں نے تو ابھی شادی بھی نہیں کی۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہو گی؟ کہنے لگے کہ باون سال۔ میں نے ان سے کہا کہ مائیکل! باون سال تو کافی زیادہ عمر ہوتی ہے، اتنی عمر میں تو بندہ شادی کر ہی لیتا ہے، کیا کوئی مسئلہ تھا؟ آگے

سے کہنے لگے:

When you can get milk from market, you donot need to have a cow in your house.

''جب تمہیں مارکیٹ سے دودھ مل جاتا ہے تو تمہیں گھر میں گائے پالنے کی کیا ضرورت ہے''

ایک یہ ازدواجی زندگی کا تصور ہے کہ اس معاشرے کا لکھا پڑھا انجینیر یہ الفاظ کہہ رہا ہے، کوئی عام بندہ نہیں کہہ رہا کہ وہ ایسے ہی loose talk (بیہودہ گوئی) کر رہا ہو، نہیں بلکہ وہ اس معاشرے کا ایک ذمہ دار بندہ ہے۔ اس کا ازدواجی زندگی کے بارے میں یہ تصور ہے۔

ایک اور انجینئر کی بیہودہ گوئی:

ایک مرتبہ ہم نے فیکٹری میں سٹیم بوائلر لگوانے تھے۔ اس مقصد کے لیے فرانس سے ایک انجینئر صاحب ایک دو ماہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ہمارے انجینئرز کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب نوجوان آپس میں بیٹھتے ہیں تو مذاق بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک نوجوان نے مذاق میں کہا: جی آپ کو یہاں آئے ہوئے پچیس دن ہو گئے، کیا تمہارا پیچھے کوئی رابطہ بھی ہوا ہے یا نہیں؟ کیا تمہارے بیوی تمہیں مس کرتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح مذاق میں باتیں ہو رہیں تھیں کہ ایک نوجوان نے ان سے پوچھا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے واپس جانے تک وہ تمہارے پاس رہے گی؟ تو وہ آگے سے مسکرا کر کہنے لگا:

Women are just like buses, if you miss one, take an-other .

(عورتوں کی مثال بسوں کی مانند ہے، ایک بس مس کر بیٹھو تو تم دوسری بس

لے لو)

اسلامی تعلیمات:

اب ایک ذمہ دار بندہ ازدواجی زندگی کے بارے میں یہ کومنٹس پاس کر رہا ہے۔ وہاں پر میاں بیوی کا یہ تعلق ہے۔ اور ایک میاں بیوی کا تعلق ہمیں دین نے سکھایا۔ دین کتنی محبتوں کا یہ تعلق سکھاتا ہے؟ ...... سنیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے''

نبی علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''جب خاوند بیوی کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔''

اب ازدواجی زندگی کے بارے میں دینِ اسلام کا تصور بھی آپ کے سامنے ہے اور کفر کا تصور بھی آپ کے سامنے ہے۔ اب آپ خود اپنے ذہن سے ای ویلیوایشن کر کے دیکھ لیجیے کہ اسلام نے ہمیں ازدواجی زندگی گزارنے کا کتنا خوبصورت تصور دیا ہے۔ اس سے بہتر تو اور کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔

(۴)......خیر خواہی کا تصور

اسلام ہمیں خیر خواہی سکھاتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ

''دین (سراسر) خیر خواہی ہے''

یعنی جو دین دار شخص ہوگا وہ ہمیشہ ہر بندے کا خیر خواہ ہوگا۔ وہ ہر کسی کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے گا۔ یہ دین کی ایک بنیادی تعلیم ہے۔ گویا دین خیر خواہی کا دوسرا نام ہے۔ ہمارے اکابر دوسروں کے ساتھ کتنے خیر خواہ تھے اس کی چند مثالیں سن لیجیے۔

گاہکوں کے ساتھ خیر خواہی:

امام اعظم ابو حنیفہ ؒ ایک دن ظہر کے بعد دکان بند کر کے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے، آپ سے ایک آدمی ملے۔ انہوں نے پوچھا، نعمان! کیا آپ دکان بند کر کے گھر جا رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں میں نے دکان بند کر دی ہے۔ پوچھا: کیوں بند کر دی ہے؟ فرمانے لگے: اس لیے بند کر دی کہ آج آسمان پر بادل آ گئے ہیں، روشنی پوری نہیں ہے، جس کی وجہ سے کسٹمر کو کپڑے کی کوالٹی کی صحیح ججمنٹ نہیں ہوتی، میں نے دکان بند کر دی ہے تاکہ کوئی کم قیمت کپڑے کو بیش قیمت سمجھ کر مجھ سے نہ خرید لے، اسے دھوکا نہ لگ جائے۔ ایک دکاندار اپنے کسٹمر کا اتنا خیر خواہ تھا۔

بائع کے ساتھ خیر خواہی:

مشتری بھی بائع کا خیر خواہ ہوا کرتا تھا...... ایک صحابی ؓ گھوڑا خریدتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے وہ گھوڑا ایک ہزار درہم میں خریدا۔ اسے لے کر گھر آئے، انہوں نے اسے باندھ دیا۔ اگلے دن ان کے ایک دوست آئے۔ انہوں نے اپنے دوست سے کہا: میں نے یہ گھوڑا خریدا ہے۔ دوست نے دیکھ کر کہا: جی یہ تو بہت اچھا گھوڑا ہے، لگتا ہے کہ یہ تو پندرہ سو درہم کا ہوگا۔ جب اس نے ای ویلیوایشن دی کہ یہ پندرہ سو درہم کا ہوگا تو وہ اگلے دن پانچ سو درہم اور لے کر گھوڑا بیچنے والے کے

پاس گئے اور کہا:

''جی آپ یہ پانچ سو درہم اور لے لیجیے، وہ آپ کی چیز تھی اور آپ کو اس کی ویلیو کا اندازہ نہیں تھا۔ ایک تھرڈ پرسن (تیسرے بندے) نے اس کو Evaluate (پرکھا) کیا ہے کہ یہ پندرہ سو درہم کا ہے، لہٰذا میں آپ کو پانچ سو درہم دینے کیلیے آیا ہوں، میں آپ کے ساتھ بدخواہی نہیں کرسکتا۔''

نو وارد کے ساتھ خیر خواہی:

جن دنوں بغداد مسلمانوں کا مرکز ہوا کرتا تھا اس وقت کافروں نے وہاں ایک بندے کو بھیجا اور کہا: جاؤ اور وہاں دیکھو کہ ان کے معاشرے میں کونسی ایسی بات ہے کہ یہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنے ہوئے ہیں اور یہ جہاں جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ چنانچہ وہ بغداد آیا، اس کو بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہ ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے لیے چلا گیا۔ اس کے قریب ایک اور آدمی بھی کھانا کھا رہا تھا۔ وہ اس نو وارد کو وقفے وقفے سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر سوچا کہ چونکہ میں نو وارد ہوں اس لیے یہ میری طرف دیکھ رہا ہے۔

جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تو وہ کاؤنٹر پر آ کر کیشئر سے کہنے لگا: بتائیں مجھے کتنا بل پے کرنا ہے؟ اس نے کہا، جناب! آپ کا بل تو پے ہو چکا ہے۔ پوچھا: کس نے کیا ہے؟ اس نے کہا: جناب! جو بندہ آپ کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، وہ اپنا بل جب دینے کیلیے آیا تو کہنے لگا کہ یہ بندہ مجھے مسافر نظر آتا ہے، اور یہ مسافر آج میرا مہمان ہے، اس لیے اس کی پے منٹ میں کر دیتا ہوں۔ اس نے آپ کو اطلاع اس لیے نہیں دی کہ وہ آپ سے تھینک یو کا لفظ بھی نہیں سننا چاہتا تھا، اس کا اجر وہ اپنے اللہ سے چاہ رہا تھا۔''

وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ اتنے مہمان نواز ہوتے ہیں!

دکانداروں کی باہمی خیر خواہی:

اس کے بعد وہ آگے چلا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے کوئی چیز خریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ وہ ایک دکان پر گیا۔ دکان دار سے پوچھا: کیا آپ فلاں چیز مجھے دے دیں گے؟ اس نے کہا: ہاں اتنے درہم میں یہ چیز آپ کو ملے گی۔ اس نے کہا، جی ایک پیس دے دیجئے۔ دکاندار کہنے لگا: پلیز! آپ میری ایک بات مان لیں کہ یہی چیز اتنی ہی قیمت میں سامنے والی دکان سے مل جائے گی، آپ وہاں سے خرید لیں۔ وہ وہاں چلا گیا، وہی چیز اس کو اتنے ہی پیسوں میں وہاں سے مل گئی۔ اس آدمی کے ذہن میں خیال آیا کہ پہلی دکان والے نے یہ چیز مجھے کیوں نہیں دی؟ دکاندار تو کبھی کسٹمر کو خالی نہیں جانے دیتا، وہ تو سوچتا ہے کہ مجھے کسی نہ کسی طرح اسے قائل کرنا چاہئے، اور اس نے خود مجھے دوسری دکان پر بھیج دیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ وہ پہلے دکاندار کے پاس آکر کہنے لگا، جی آپ کے پاس یہ چیز تھی نہیں یا آپ مجھے دینا نہیں چاہتے تھے؟ اس نے کہا ''یہ چیز تو میرے پاس بھی تھی مگر میں چاہتا تھا کہ آپ مجھ سے خریدنے کی بجائے اس سے خریدیں۔''

وہ کہنے لگا: لیکن دکاندار تو کبھی ایسا نہیں کرتا، آپ نے کیوں ایسا کیا؟ اس نے آگے سے جواب دیا:

''اصل وجہ یہ ہے کہ آج میرے پاس اتنے گاہک آئے کہ مجھے اتنا نفع ہو چکا ہے کہ میرے بیوی بچوں کا آج کا گزارہ ہو جائے گا، میں دیکھتا رہا کہ آج میرے اس دکاندار بھائی کے پاس کوئی کسٹمر نہیں آیا۔ میں نے کہا: آپ اس سے وہ چیز خریدیں گے تو اس کو نفع ہوگا اس طرح اس کے بیوی بچوں کیلیے بھی کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔''

دکاندار ایک دوسرے کے اتنے خیر خواہ تھے۔ یہ خیر خواہی اسلام سکھاتا ہے۔

کفار کے ہاں خیر خواہی کا انداز:

یہ خیر خواہی کفر نہیں سکھاتا۔ کفر تو اگر کسی کے ساتھ بھلا کرتا ہے تو وہ بھی اپنے فائدے کی خاطر کرتا ہے۔ حتی کہ اگر غریب کے ہاتھ میں کشکول ہوتا ہے تو اس کو سود پر قرضہ دیا جاتا ہے اور اس کو بھی امداد کا نام دیا جاتا ہے...... سبحان اللہ!!!...... ذرا غور کیجیے کہ سود در سود قرضہ دیا جا رہا ہے۔ اور اس کو نام بھی امداد کا دیا جا رہا ہے اور شرط لگائی جا رہی ہے کہ یہ کام ہمارے ہی ملک کی کمپنیوں سے کروانے ہیں تاکہ منافع بھی وہیں جائے۔ کفر اس طرح خیر خواہی کر رہا ہے۔

کفار کے کتے بلیوں کا خرچہ:

مجھے بیرون ملک میں یاک میوزیم (عجائب گھر) دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں ایک عجیب فگر لکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے لکھا کہ دنیا سے غربت ختم کرنے کیلیے اتنے بلین ڈالر ہر سال چاہئیں اور یورپ اتنے ہی بلین ڈالر ہر سال Pet (پالتو جانوروں) پر خرچ کر دیتا ہے۔ وہاں گھروں میں جو کتے بلیاں پالی جاتی ہیں ان کتے اور بلیوں کا خرچہ اتنے بلین ڈالر ہے جتنے بلین ڈالر انسانوں کی غربت ختم کرنے کے لیے ہر سال درکار ہوتے ہیں، مگر المیہ یہ ہے کہ غربت کو ختم نہیں کیا جاتا، کیوں؟...... اس لیے کہ یہ خیر خواہی اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ خیر خواہی اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر ہے۔ وہ تو گویا یوں کہتے ہیں کہ

''بس، ہم تمہارے بڑے ہیں اور تم ہمارے چھوٹے ہو، بہت اچھی زندگی گزرے گی۔''

اب سوچیے کہ دین اسلام نے ہمیں کتنی خیر خواہی کی تعلیم دی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت کی تعلیم دی۔

ایک یہ دین اسلام کا تصور ہے اور ایک کفر کی زندگی ہے۔ اب آپ خود ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے Open minded (کھلے دل سے) ہو کر سوچیے کہ ان دونوں طریقہ ہائے زندگی میں سے بہترین طریقہ کونسا ہے؟...... انسانیت کہاں ہے؟ ......محبت کہاں ہے؟...... ہمدردی کہاں ہے؟...... خیر خواہی کہاں ہے؟...... وہاں تو ......کیا خوب سودا نقد ہے! اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے...... کا معاملہ ہے۔

(۵) حیا اور پاکدامنی کا تصور

اسلام کی تعلیم:

اسلام ہمیں حیا والی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ دین اسلام نے پردے کا حکم دیا۔ محرم اور غیر محرم کا تصور دیا، تا کہ ہر بندہ اپنی گھریلو زندگی پر سکون ہو کر گزار سکے اور کسی دوسرے کی عزت کی طرف میلی آنکھ بھی نہ اٹھے۔ دین نے کہا:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

[حیاء دین کا اک ایک شعبہ ہے]

دین اسلام کہتا ہے کہ تم دوسرے کی عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو تا کہ تمہارے دل کے اندر کوئی برا خیال بھی نہ آئے، یہ اسلام کی تعلیم ہے۔

کفر کی تعلیم:

حیا کے بارے میں ایک کفر کی تعلیم ہے۔ وہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ

Shyness is a sickness.

(حیا ایک بیماری ہے)

وہاں سکول کے بچے اگر خاتون ٹیچر کے سامنے مسلمان ہونے کی وجہ سے نظریں جھکا کر بات

کرتے ہیں تو انہیں یہی کہا جاتا ہے کہ 'شرم ایک بیماری ہے، آئی ٹو آئی کنٹیکٹ رکھ کر (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) بات کرو'' ...... بچوں کو یہ سکھایا جاتا ہے۔

وہاں پر لباس کی کوئی قید نہیں۔ آج کفر خود بھی اس سے تنگ ہو چکا ہے۔ ان کی تعلیم گاہوں میں اگر آپ جا کر دیکھیں تو اس کے طلبا اور طالبات کے جسموں پر جو لباس ہوتا ہے، اسے دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ یہ اس لباس میں کیسے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی گزارتے ہیں!

پارٹیوں میں غیرت کا جنازہ:

وہاں پارٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان پارٹیوں میں اجتماعی ڈانس ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے بالکل سامنے جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ وہاں کے نظامِ زندگی میں عورت کسی کا گھر بساتی ہے اور دل میں کسی اور کو بساتی ہے۔ میاں بیوی کفر کے ماحول میں اکٹھے رہتے ہیں۔ مگر اکٹھے بھی کس طرح رہتے ہیں کہ کچن کا خرچہ الگ الگ کما کر دونوں اکٹھا کرتے ہیں۔ دونوں شام کو نائٹ کلب جانے کے لیے تیار ہو کر نکلتے ہیں اور وہاں نائٹ کلب میں خاوند الگ عورت کے ساتھ وقت گزارتا ہے اور بیوی الگ مرد کے ساتھ جنسی بے راہ روی کا شکار ہوتی ہے اور وہاں سے فارغ ہو کر دونوں میاں بیوی واپس گھر آجاتے ہیں۔

اب آپ خود غور کیجیے کہ ایک طرف ازدواجی زندگی کا تصور اسلام نے دیا ہے۔ اس میں حیا اور پاکدامنی کا ایک بہترین نظام ہے۔ اور دوسری طرف کفر ازدواجی زندگی کا یہ تصور دیتا ہے۔ تھوڑا سا غور کریں اور سوچیں تو دل سے آواز اٹھے گی کہ انسانیت اس کا نام نہیں ہے کہ سو سو مرد اور عورتیں اکٹھے ایک جگہ اور ایک دوسرے کے سامنے اس طرح جنسی تعلقات قائم کر رہے ہوں جیسے حیوان ہوتے ہیں۔ گھوڑوں گدھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۶) سچ کا تصور

اسلامی تعلیمات:

اسلام ہمیں سچ کی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

(میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوا ہوں)

ان مکارمِ اخلاق میں پہلی بات نبی علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمائی:

''سچ بولو اور سچائی کا معاملہ کرو۔''

اب ہم اگر سچ نہیں بولتے تو یہ ہماری کمی ہے، البتہ دین کی تعلیم یہی ہے کہ مومن سچ بولے۔ نبی علیہ السلام نے ارشا فرمایا:

''مومن سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔''

اسلام کی جیت:

انڈیا کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، اس کا نام تھا کاندھلہ۔ وہاں پر ایک پلاٹ تھا، اس پر ایک ہندو اور ایک مسلمان کے درمیان ایشو بن گیا۔ مسلمان کہتا تھا کہ یہ میرا ہے اور ہندو کہتا تھا کہ یہ میرا ہے۔ یہ دونوں کا پرسنل معاملہ تھا، مگر مسلمان نے تھوڑی سی ہوشیاری دکھائی اور اس نے یہ کہہ دیا کہ اگر یہ پلاٹ مجھے مل گیا تو میں یہاں مسجد بناؤں گا۔ جب اس نے مسجد بنانے کی بات کی تو وہاں کے سب مسلمان اس کے ساتھ ہوگئے کہ اس کو ملنا چاہیے۔ اُدھر ہندو سارے اکٹھے ہو گئے۔ اس طرح یہ ایک بڑا احساس سا مسئلہ بن گیا۔

عدالت میں مقدمہ چلا گیا۔ جب پیشی کا وقت آیا تو دونوں طرف سے سینکڑوں

لوگ پہنچ گئے۔ جج سمجھدار آدمی تھا، گو کافر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ بہت ہی حساس معاملہ ہے، اگر تھوڑی سی اونچ نیچ ہوگئی تو اس گاؤں کے اندر انسانوں کی لاشیں نیچے گریں گی، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس کو افہام وتفہیم کے ساتھ طے کرلیا جائے۔ چنانچہ اس نے دونوں پارٹیوں سے پوچھا کہ بتاؤ! کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ مسئلہ کو ہم ٹیبل پر بات چیت کے ذریعے حل کرلیں؟

ہندوؤں نے کہا: ہاں ایک طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم ایک مسلمان عالم کا نام دیتے ہیں، اس کو بلا کر اس سے گواہی لے لیں، اگر وہ کہیں کہ مسلمان کا ہے تو اس کو دے دیں اور اگر وہ کہے کہ ہندو کا ہے تو ہندو کو دے دیں۔ جج نے کہا: بہت اچھا! اس طرح یہ مسئلہ اچھے طریقے سے حل ہو جائے گا۔ اس کے بعد جج نے اگلی تاریخ ڈال دی۔

مسلمان بڑے خوش ہوئے کہ جو بھی ہوگا، آخر وہ مسلمان ہی ہوگا اور وہ اللہ کا گھر بنانے کی ہی بات کرے گا۔ وہ تو یہی کہے گا کہ مسلمان کو دوتا کہ اللہ کا گھر بنے، اور ہندوؤں نے جو کہا تھا کہ اگر ہمیں ملا تو ہم مندر بنائیں گے، اس طرح مندر تو نہیں بنے گا۔ اس کے برعکس ہندو عوام الناس بہت ہی ڈاؤن فیل کر رہے تھے، انہوں نے اپنے نمائندوں سے کہا: تم نے وہاں جا کر کوئی اچھی تجویز نہیں دی، تم نے مسلمان کا نام دے دیا، پتہ نہیں مسلمان آگے سے کیا بیان دے دے؟ لیکن جو کہنے والے تھے وہ مطمئن تھے کہ ہم نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا۔

اب وہ دن بھی آگیا ع

گنے جاتے تھے دن جس دن کے لیے

اس دن عدالت میں لوگوں کا بے تحاشا ہجوم تھا۔ اس وقت انگریز جج نے ہندوؤں سے پوچھا: وہ مسلمان عالم کون ہیں؟ انہوں نے مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کا نام لیا، چنانچہ ان کو عدالت میں بلایا گیا۔

جج نے مفتی صاحب سے پوچھا: مفتی صاحب! بتایئے، یہ زمین کا ٹکڑا مسلمان کا ہے کہ ہندو کا؟ اب مسلمان بہت ہی مطمئن تھے کہ مفتی صاحب کو فوراً جواب ہوگا کہ مسلمان کا، لیکن مفتی صاحب نے انگریز کی عدالت میں کہا کہ جج صاحب! اگر آپ مجھ سے گواہی لینا چاہتے ہیں تو میں یہ گواہی دوں گا کہ یہ زمین کا ٹکڑا ہندو کا ہے، اور یہ اس کی ملکیت ہے۔ پھر جج نے پوچھا: کیا ہندو اس پر مندر بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: جب ملکیت اس کی ہے تو اس کی اپنی صوابدید ہے کہ اس پر اپنا گھر بنائے یا مندر بنا لے۔ جب انہوں نے یہ بیان دیا تو مسلمان ہکے بکے رہ گئے کہ مفتی صاحب نے کیا بیان دے دیا! مگر انگریز جج نے ایک تاریخی فیصلہ دیا۔ اس نے فیصلہ یہ دیا:

''آج کے اس مقدمے میں مسلمان تو ہار گئے، مگر اسلام جیت گیا۔''

جب اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تو ہندوؤں نے کہا کہ ''جج صاحب! آپ نے اپنا فیصلہ سنایا، ہمارا فیصلہ بھی ذرا سن لیجیے، وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم اس سچے دین کے سچ کی عظمت سے متاثر ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ ہم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ اب ہم اپنے ہاتھوں سے اس جگہ پر مسجد بنائیں گے۔''

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

(۷)......ایثار کا تصور

ایک اور پوائنٹ پر غور کیجیے، ہم جب مل کر رہتے ہیں تو ہمیں کئی مرتبہ دوسروں کی خاطر Sacrifice (قربانی) کرنا پڑتی ہے۔ اس کو دین اسلام کی ٹرم میں ''ایثار'' کہتے ہیں۔ ایثار کیلیے انگریزی کا کوئی لفظ ملتا ہی نہیں، کیونکہ ان کے ہاں یہ

ہوتا ہی نہیں۔ ان میں ایثار ہوگا تو وہ اس کے لیے کوئی لفظ بنائیں گے نا۔ جب یہ صفت ہی نہیں ہوتی تو پھر لفظ کہاں سے نظر آئے۔ مجھے اس کے لیے کوئی پراپر لفظ نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ دین اسلام میں چونکہ اس خلق کی تعلیم دی گئی ہے اس لیے یہ نام بھی موجود ہے۔ ایثار کا مطلب ہے...... اپنی ضرورت کو دبا کر اپنے بھائی کو مقدم کرنا، یہ تعلیم کس نے دی؟ دین اسلام نے دی۔ چنانچہ قرآن مجید کی تعلیم ہے:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: 9)

[وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں لیکن بھائیوں کی خاطر ایثار کرتے ہیں۔]

تین صحابہ رضی اللہ عنہم کا مثالی ایثار:

جنگ تبوک کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک آدمی زخموں سے بہت نڈھال تھا۔ پیاس کی شدت سے...... اَلْعَطْشُ اَلْعَطْشُ...... (پیاس پیاس)...... کہہ رہا تھا۔ اس کا ایک کزن پانی کی ایک مشک لے کر جاتا ہے کہ اسے پانی دے۔ جب اسے پلانے لگتا ہے تو دوسری طرف سے آواز آتی ہے...... اَلْعَطْشُ (پیاس)...... اس نے اپنا منہ بند کرلیا اور اشارہ کیا کہ اس بھائی کو پہلے پلاؤ۔ جب وہ دوسرے کو پلانے جاتا ہے تو تیسری طرف سے آواز آتی ہے...... االعطش (پیاس)...... اس دوسرے نے بھی اپنا منہ بند کرلیا اور تیسرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ تیسرے کے پاس پہنچا تو وہ اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ پھر وہ جلدی سے دوسرے کی طرف لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ اس کی روح بھی پرواز کر چکی تھی، اس کے بعد وہ پہلے کے پاس آیا تو اس کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی...... تاریخ انسانیت میں ایثار کی ایسی مثال کوئی پیش ہی نہیں کر سکتا کہ عین موت کے وقت بندے کو جو شدت کی پیاس محسوس ہوتی ہے اس وقت بھی بندہ اپنے بھائی کو اپنے اوپر مقدم کر رہا ہوتا ہے...... یہ تعلیم کس نے دی؟ دین اسلام نے دی۔

ابوالحسن نوریؒ کا ایثار:

ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، انہوں نے ایک فتویٰ دے دیا جو وقت کے حاکم کو برا لگا۔ اس نے ان کو بھی اور ان کے چند ساتھیوں کو بھی پکڑ والیا اور حکم دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے ان کے قتل کا منظر دیکھنے کی پلاننگ بھی کی۔ حاکم نے دیکھا کہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ آگے کھڑے ہیں۔ ان کے پیچھے ان کے ایک شاگرد کھڑے تھے اور ان کے بھی پیچھے ایک صاحب کھڑے تھے۔ حاکم کے اپنے دل میں ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عزت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ میں باقیوں کو تو بے شک قتل کروا دوں لیکن ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو میں رہا کر دوں گا۔ لیکن ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے کھڑے تھے۔

چنانچہ حاکم وقت نے کہا کہ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے ان کو اس جگہ پر لاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی ترتیب بدل جائے گی۔ لیکن وہاں بھی ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے تھے۔ پھر اس نے کہا: نہیں یہ جگہ بھی ٹھیک نہیں ہے، ان کو یہاں لے آؤ۔ پھر دیکھا تو بھی ابوالحسن نوریؒ پہلے نمبر پر تھے۔

بالآخر حاکم نے ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر کہا۔ ابوالحسن! میں چاہتا تھا کہ کسی اور کو قتل کر دوں اور آپ کو بہانہ بنا کر رہا کر دوں، مگر کیا وجہ ہے کہ تینوں جگہ پر آپ ہی سب سے پہلے کھڑے نظر آئے، ارادتاً کھڑے ہوئے تھے یا بائی چانس؟...... ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں ارادتاً آگے کھڑا ہوا۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ جواب ملا کہ میں ارادتاً اس لیے آگے کھڑا ہوا کہ جتنی دیر آپ کا جلاد مجھے قتل کرنے میں لگائے گا اتنی دیر کے لیے میرے بھائیوں کو اور زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا...... ایثار کی وہ تعلیم جو دین اسلام نے دی وہ کوئی اور دے ہی نہیں سکتا۔

اس پوائنٹ پر بھی آپ دونوں طریقہ ہائے زندگی کو تولیں کہ ایک یہ طریقہ زندگی

ہے جہاں ایثار ہی ایثار ہے اور ایک کفر کا طریقہء زندگی ہے جس کے پاس ایثار کے مترادف کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔

کفر کے معاشرے کی ایک مثال:

ہمارے ایک واقف کار تھے جو .U.K (انگلینڈ) میں رہتے تھے۔ یہاں سے ان کے ماموں ان سے ملنے کے لیے گئے۔ ان کے یہاں آموں کے باغات تھے۔ جب جانے لگے تو والدہ نے پھلوں کی ایک ٹوکری دی اور کہا کہ میرے بیٹے کو اپنے باغ کے پھل دینا...... ماں ایسی ہستی ہے کہ جب تک وہ اپنے ہاتھ سے کھانے کی چیز نہ دے اسے تسلی ہی نہیں ہوتی ...... چنانچہ ان کے ماموں پھلوں کی ٹوکری لے کر ان کے پاس گئے اور کہا کہ یہ تحفہ تمہاری امی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ انہوں نے خود بھی آم کھائے اور کچھ آم دائیں طرف والے پڑوسیوں کو بھیج دیے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازے پر جا کر دیکھا تو دونوں طرف کے پڑوسی موجود تھے۔ پوچھا: آپ لوگ کیسے آئے؟ انہوں نے کہا، مسٹر احمد! آپ نے جو آم بھیجے وہ بہت ہی مزے دار تھے۔ ہم نے بہت انجوائے کیا، لیکن آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ ان کی پرائس کتنی تھی؟ آپ ہمیں بل دیں تا کہ ہم آپ کو پے کریں...... اب اس معاشرے کے لوگ حیران! جب کوئی اللہ کی رضا کے لیے کسی کو گفٹ دے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اگر وہ گفٹ بھی کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ انہیں ایک دوسرے کو بے مقصد گفٹ دینا سمجھ نہیں آتا۔

اسلامی معاشرے کی مثال:

لیکن اسلامی معاشرے کے اس خلق ''ایثار'' کا ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔ یہ آج سے تقریباً تیس سال پہلے کا واقعہ ہے...... ایک صاحب کابل گئے اور وہاں سے واپس

آتے وقت وہ انار اور دوسرے پھلوں کی ایک ٹوکری بھر کر لائے۔ اللہ کی شان کہ جب وہ یہاں پاکستان پہنچے تو انہوں نے وہ ٹوکری اپنی والدہ کے حوالے کر دی اور کہا کہ میں وہاں سے آپ کے لیے وہاں سے تحفہ لایا ہوں۔

ان کے کچھ رشتہ دار انہیں دہلی سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے اور وہ اسی دن واپس جا رہے تھے۔ والدہ نے بیٹے سے کہا: بیٹا! رشتہ دار مستورات واپس جا رہی ہیں۔ کیوں نہ یہ پھلوں کی ٹوکری ان کو دے دیں؟ چنانچہ انہوں نے وہ پھلوں کی ٹوکری ان کو دے دی۔ اب جب ان لوگوں نے پھلوں کی وہ ٹوکری اپنی والدہ کو دی۔ اس وقت اس کی والدہ کے پاس گھر کی خادمہ (ماسی) جو بیوہ تھی، اپنے گھر کے دکھڑے بیان کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرے بچے یتیم ہیں، خاوند نہیں ہے، بڑی پریشانی کا عالم ہے۔ جب اس کی والدہ نے اس عورت کے دکھڑے سنے تو اس نے وہ ٹوکری اسی طرح اٹھا کر اس خادمہ کے حوالے کر دی اور اس طرح اس کے یتیم بچوں نے ان پھلوں کو کھایا......اللہ اکبر!!......کابل سے پھل چلتے ہیں اور لاہور آتے ہیں اور لاہور سے دہلی جاتے ہیں، اور دہلی جا کر ایک بیوہ عورت کے ہاتھ میں پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے ان یتیموں کو وہ پھل کھانے کو مل جاتے ہیں۔ اسلام ہمیں ایثار کی یہ تعلیم دیتا ہے۔ اب آپ ذرا کھلے دل و دماغ سے سوچیے کہ ان دونوں طریقہ ہائے زندگی کے درمیان موازنہ کر کے دیکھیے کہ انسانیت کی صحیح تصویر کس طریقۂ زندگی میں نظر آتی ہے۔ یقیناً وہ تصویر دین اسلام میں ہی نظر آتی ہے۔

تابعین کے دور کی حیرت انگیز مثال:

تابعین کے زمانے کا ایک واقعہ ہے۔ ایک صاحب نے زمین خریدی اور دوسرے نے زمین بیچی۔ خریدنے والے نے ہل چلائے۔ جب گہرا ہل چلایا گیا تو اس زمین میں سے ایک صندوق برآمد ہوا۔ اس کے اندر سونا چاندی بھرا ہوا تھا۔ پہلے

زمانے کے لوگ سونا چاندی کو محفوظ کرنے کیلیے زمین میں دبا دیتے تھے۔ جب وہ خزانہ نکلا تو وہ آدمی بڑا حیران ہوا۔ اس نے سوچا کہ میں نے تو اس سے زمین خریدی تھی۔ خزانہ تو نہیں خریدا تھا۔ لہٰذا اگلے دن وہ بیچنے والے کے پاس گیا اور جا کر کہنے لگا، جی زمین سے یہ خزانہ نکلا ہے، یہ آپ کا ہے اور آپ مجھ سے لے لیجیے۔ جب یہ دینے لگا تو اس بندے نے کہا، نہیں بھئی! جب میں نے زمین بیچ دی تو اس کے بعد اس میں سے جو نفع نکلے گا وہ آپ کا ہوگا، میرا نہیں ہوگا، لہٰذا یہ میرا نہیں بلکہ آپ کا ہے۔

اب ان کا آپس میں اختلافِ رائے ہو گیا۔ لہٰذا فیصلہ کروانے کے لیے دونوں جج کے پاس آئے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو ہمارے ایسے مقدمے عدالتوں میں آتے تھے کہ ایک کہتا تھا کہ میرا حق نہیں، میرے بھائی کا حق ہے۔ دوسرا کہتا تھا کہ میرا نہیں، میرے بھائی کا حق ہے۔ جج صاحب! فیصلہ کر دیجئے۔ آج کے تو معاملات ہی اور ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ اپنے حق کی خاطر خون کا آخری قطرہ بھی بہا دوں گا، جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ میں اپنے حق کی خاطر یہ کر دوں گا۔ اس لیے آج عدالتوں میں جاؤ تو عداوتیں ملتی ہیں۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا گیا۔ جج بھی حیران تھے کہ اس مقدمے کا فیصلہ کیسے کریں! اس وقت کے جج صاحب بھی تقویٰ والے لوگ تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو معرفت کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ان دونوں سے ان کی زندگی کے حالات پوچھے۔ اس طرح ان کو پتہ چل گیا کہ ان میں سے ایک کے گھر میں بیٹا جوان تھا اور دوسرے کے گھر میں بیٹی جوان تھی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے ججمنٹ لیتے ہو تو میں یہ ججمنٹ دوں گا کہ بہتر ہے کہ اس بیٹے اور اس بیٹی کا آپس میں نکاح کر دیا جائے اور یہ خزانہ ان دونوں کی جہیز میں دے دیا جائے...... ایک طریقہ زندگی ہمیں خیر خواہی سکھا رہا ہے اور دوسرا طریقہ دوسرے

سے اجنبیت سکھا رہا ہے۔ پڑوسی کو پڑوسی کا پتہ نہیں ہوتا کہ کون ہے کون نہیں ہے۔اب آپ کو بھی اللہ نے علم دیا ہے، آپ میچور لوگ ہیں، سوچیں نا، کہ کونسا طریقہء زندگی اچھا ہے۔یقیناً دل سے آواز نکلے گی کہ دین اسلام ہی زیادہ بہتر طریقہءزندگی ہے۔

(۸) اخلاص کا تصور

اسلام اخلاص کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔پھر بندہ جو بھی کرتا ہےاس پر وہ بندوں سے شاباش بھی نہیں چاہتا، وہ فقط اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔

دورِ صحابہ کی مثال:

فتح مدائن میں جب غنیمت کا مال اکٹھا ہونا شروع ہوا،اس وقت سعد بن ابی وقاص ؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ایک مجاہد آتا ہے،اس کے پھٹے ہوئے کپڑے ہیں، لگتا ہےاس کا زندگی گزارنے کا لیول بہت ہی غربت کا ہے۔اس نے کپڑے میں کچھ لپیٹا ہوا تھا۔اس نے آ کر وہ سعد بن ابی وقاص ؓ کو پیش کر دیا اور کہا کہ یہ میدان جنگ سے مجھے ملا تھا، میں یہ آپ کو دینے آیا ہوں۔ جب انہوں نے دیکھا تو پتہ چلا کہ اس کپڑے میں اس اس دشمن بادشاہ کا تاج تھا جو اس جنگ میں قتل ہوا تھا۔اس تاج کے اندر اتنے قیمتی ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے کہ ایک ایک ہیرے کی قیمت پوری زندگی کے خرچے کے برابر تھی۔اسے دیکھ کر سعد بن ابی وقاص ؓ حیران رہ گئے کہ اس کا پتہ بھی کسی کو نہیں تھا، اگر یہ آدمی کسی کو نہ بتاتا اور ایک ایک ہیرا بیچ کر ٹھاٹھ سے زندگی گزارتا تو کسی کو پتہ بھی نہ چلتا۔چنانچہ سعد بن ابی وقاص ؓ نے حیران ہو کر پوچھا: اے نوجوان! تم نے یہ تاج واپس کر دیا، بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟ جب نام پوچھا تو اس نوجوان نے سعد بن ابی وقاص ؓ کی طرف پشت کر لی اور جانے کے لیے

دوسری طرف رخ کرلیا اور کہا:

''اے سعد بن ابی وقاص! جس اللہ کی رضا کے لیے میں نے یہ تاج واپس کیا ہے، وہ میرا نام بھی جانتا ہے اور میرے باپ کا نام بھی جانتا ہے۔''

یہ دین اسلام ہے جو ہمیں اخلاص سے زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ جب ہم صحیح معنوں میں اسلام کے مطابق زندگی گزارتے تھے، اس وقت نوجوان، بوڑھوں اور عورتوں کی سوچ کا معیار ہی کچھ اور تھا، کسی کو دھوکہ دینے کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا۔ دیکھیں کہ عورتوں کے معاملات ایک دوسرے کے ساتھ بہت الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر عورتوں کی بات سناتا ہوں کہ اس دور کی عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ کیسی مخلص ہوتی تھیں!

دوسوکنوں کا اخلاص:

ایک تاجر کی بیوی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نیکی بھی دی تھی اور حسن و جمال بھی دیا تھا۔ وہ زندگی گزارتی رہی۔ اس کا خاوند سفر کے لیے کسی دوسرے شہر جاتا ہے۔ کچھ دنوں کے وقفے سے اسے اس شہر جانا پڑتا ہے، وہاں اسے رہنا پڑ جاتا ہے۔ اب اس کی بیوی نے یہ محسوس کیا کہ اس کے خاوند کا قیام وہاں زیادہ ہونے لگا ہے۔ لہٰذا اسے احساس ہوا کہ کہیں اس نے وہاں دوسرا گھر تو نہیں بنالیا۔

چنانچہ اس نے اپنی اعتماد والی ایک خادمہ سے کہا کہ تم اس کے پیچھے جاؤ اور دوسرے شہر میں جہاں رہتا ہے وہاں ہمسایوں سے جا کر معلومات حاصل کرو۔ جب اس نے وہاں سے معلومات لیں تو پتہ چلا کہ چونکہ اسے وہاں دس پندرہ دن رہنا ہوتا تھا، اس لیے اس نے وہیں کسی عورت سے نکاح کرلیا تھا اور اسے ایک گھر بھی لے کر دیا تھا جہاں وہ جا کر رہتا تھا۔ گناہ نہیں تھا البتہ اس نے دوسرا نکاح کرلیا تھا۔

جب اس عورت کو کنفرم ہو گیا تو اس نے سوچا کہ میرے خاوند نے نکاح تو کرلیا

ہے اگر جھگڑا کروں گی تو خاوند کو خواہ مخواہ میرے سامنے شرمندگی ہوگی یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میرا خاوند کھلم کھلا کہہ دے کہ میں ادھر بھی وقت دوں گا اور ادھر بھی دوں گا تو مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو محبت کی مساوات میرے اور میرے خاوند کے درمیان ہے کیوں نہ میں اسی کو برقرار رکھوں۔ یہ سوچ کر اس نے پردہ رکھنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اسی محبت کے ساتھ رہتی رہی۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ جب یہ دوسرے شہر میں کاروبار کے لیے جاتا ہے تو وہاں اس کی دوسری بیوی بھی موجود ہے۔ اللہ کی شان کہ کچھ مہینوں کے بعد خاوند کی وفات ہوگئی۔ جب خاوند کی وفات ہوئی تو اس کا جتنا سرمایا تھا وہ سارے کا سارا اسی بیوی کے پاس تھا۔ جب اس کی تدفین کا مرحلہ مکمل ہوا اور اس کی وراثت کی تقسیم کا وقت آیا تو اس کی بیوی نے اپنا حصہ بھی الگ کیا اور دوسری بیوی کا حصہ بھی الگ کر دیا اور اسی عورت کو جس نے اس کو بتایا تھا کہ اس کا دوسرا نکاح بھی ہے اس کو بڑی راز داری سے کہا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور کوئی میرے خاوند پر بات بھی نہ کرے۔ لیکن اس کی وراثت میں اس بیوی کا شرعی حق ہے مجھے قیامت کے دن اللہ کے ہاں جواب دینا ہے، اس کا حق میں نہیں کھا سکتی۔ لہٰذہ یہ پیسے لے جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارے خاوند کی میراث میں سے یہ تمہارا حصہ ہے، اسے وصول کرلو۔ وہ عورت وہ رقم لے کر خاتون کے پاس گئی۔ وہ کافی ساری رقم تھی۔ اس نے جا کر اس سے بات کی کہ اس کے خاوند کی وفات ہوگئی ہے، اور اس کی بیوی نے اس کی وراثت میں سے تمہارا حصہ نکالا ہے۔ کیونکہ تم بھی آخر اس کی بیوی ہو۔ وہ اگر تمہارا حق کھائے گی تو وہ قیامت کے دن اللہ کو جواب نہیں دے سکے گی۔ لوگوں کو تو پتہ نہیں مگر اللہ کو تو پتہ ہے۔ لہٰذا تم یہ اپنا حصہ وصول کرلو! اس عورت نے وہ رقم پکڑ کر کہا کہ اللہ اس کا بھلا کرے، وہ کتنی نیک عورت ہے، وہ کتنی اچھی عورت ہے جس نے میرا خیال رکھا! پھر اس نے کہا کہ تم یہ مال میری طرف سے لے جا کر اس عورت کو واپس کر دو، اس لیے کہ اس خاوند نے

مرنے سے ایک ہفتہ پہلے مجھے طلاق دے دی تھی۔ اور اس طلاق کا پتہ یا مجھے ہے یا میرے اللہ کو ہے، لہٰذا اس وراثت میں میرا کوئی حصہ نہیں بنتا۔ یہ اسی کا حصہ ہے، لہٰذا اسے واپس کر دو۔

یہ تعلیمات کونسا طریقہ زندگی دے رہا ہے؟ یہ دین اسلام دے رہا ہے۔ دنیا کو تو معلوم نہیں کہ حقیقت کیا ہے لیکن جب دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے تو پھر لوگ ایک دوسرے کے حقوق کی اتنی رعایت رکھتے ہیں!

ایک فقیر کا اخلاص:

دہلی کی ایک جامع مسجد میں ایک انگریز نقاش کا کام دیکھنے کے لیے آیا۔ وہ نقاشی کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ جب وہ مسجد کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو ایک مسلمان فقیر جو اپاہج تھا، اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: جی مجھے کچھ دو میں غریب ہوں۔ اس نے جیب میں سے اپنا بٹوہ نکالا اور اسے کچھ پیسے دے دیے۔ پھر جب وہ اسے جیب میں ڈالنے لگا تو وہ بٹوہ نیچے گر گیا اسے پتہ ہی نہ چلا۔ یہ اوپر گیا مسجد دیکھی اور اسے کیلی گرافی کا کام بہت اچھا لگا، وہاں سے وہ گھر چلا گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ دہلی کی جامع مسجد میں کیلی گرافی کا کام دیکھا ہے وہ بہت ہی شاندار ہے۔

اس کی بیوی بھی اس شعبے سے تعلیم یافتہ تھی لہٰذا اس نے کہا کہ اچھا! اگلے اتوار کو مجھے بھی لے جانا، میں بھی جا کر دیکھوں گی۔ اس نے لے جانے کا وعدہ کر لیا۔ رات کو اسے پتہ چلا کہ بٹوہ گم ہو گیا ہے۔ اسے یاد بھی نہیں آ رہا تھا کہ کہاں گرا ہو گا۔ اس میں کئی سو روپے تھے، اس زمانے میں سو روپے کی بڑی ویلیو تھی۔ اسے بڑا افسوس ہوا لیکن پھر اس نے سوچا اب تو ہو گیا جو ہونا تھا۔

اگلے ہفتے جب وہ اپنی بیوی کو لیکر وہ کام دکھانے کیلیے گیا تو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے وہی اپاہج فقیر نظر آیا۔ وہ اس کی طرف آ رہا تھا۔ مگر اس دفعہ کچھ پیسے

مانگنے کی بجائے، اپنا کشکول آگے بڑھانے کی بجائے اس فقیر نے اپنی گدڑی سے وہ بٹوہ نکالا اور کہنے لگا: جی پچھلے ہفتے آپ کا یہ بٹوہ گر گیا تھا اور آپ چلے گئے تھے، یہ لیں اور اسے اپنے پاس محفوظ کر لیں۔

اس نے جب اپنا بٹوہ لیا اور دیکھا تو اس میں کاغذات بھی پورے تھے اور پیسے بھی پورے تھے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ مانگنے والا فقیر جو ایک ایک روپے کو ترستا ہے اور اس میں سینکڑوں روپے تھے۔ اگر یہ چپ کر جاتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ پیسے کہاں ہیں۔ اس نے آخر اس کو کیوں نہ رکھا؟ لہٰذا انگریز نے اس سے پوچھا کہ تم نے اسے واپس کیوں کیا؟ اگر تم رکھ بھی لیتے تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ کس کے پاس ہے؟ آگے سے فقیر یہ جواب دیتا ہے کہ میرے ذہن میں یہ خیال تو آیا تھا کہ رکھ لوں پھر ایک اور خیال آ گیا جس کی وجہ سے میں نے سوچا کہ میں آپ کو ڈھونڈوں گا اور آپ کو واپس کر دوں گا۔ انگریز نے پوچھا: کیا خیال آیا تھا؟ فقیر آگے سے یہ جواب دیتا ہے:

''مجھے خیال یہ آیا تھا کہ اگر میں نے آپ کا یہ بٹوہ رکھ لیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے نبی حضرت محمد ﷺ کو گلہ دیں اور یہ نہ کہہ دیں کہ تمہارے امتی نے میرے امتی کے پیسے چرائے تھے۔''

اللہ اکبر!!...... مانگنے والے فقیروں کی سوچ ایسی تھی۔ یہ تعلیم کس نے دی؟ یہ دینِ اسلام نے دی یہ سوچ تو ایک نوجوان کی تھی۔ دین پر عمل کرنے سے بڑھاپے میں بھی ایسی سوچ رہتی ہے۔

ایک رحم دل حاجی کا اخلاص:

منیٰ کا میدان ہے۔ ایک بڑے میاں اپنا تھیلا لے کر جا رہے ہیں۔ اس میں کچھ پیسے تھے۔ ایک نوجوان ان کے قریب آیا اور تھیلا چھین کر چلا گیا۔ اس بڑے میاں کا سارا زادِ راہ اسی تھیلے میں تھا۔ انہوں نے صبر کر لیا۔

وہ نوجوان جب کچھ آگے گیا تو اس کا سر چکرایا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا، اس نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ کہنے لگا: میں نے ایک بوڑھے کا تھیلا چھینا ہے، مجھے لگتا ہے کہ اس نے بددعا دی ہے جس کی وجہ سے میری بینائی چلی گئی ہے۔ مجھے ان کے پاس لے جاؤ تاکہ میں ان سے معافی مانگ لوں۔ لوگ اس کو ان کے پاس لے گئے اور بڑے میاں سے کہا کہ بڑے میاں! آپ اس کو معاف کر دیں، اس سے غلطی ہو گئی ہے، اب یہ رو رہا ہے اور آپ کی بددعا سے تو اس کی بینائی چلی گئی ہے۔ وہ بڑے میاں کہنے لگے کہ جب یہ چھین کر گیا تھا میں نے تو اسے اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ لوگ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے: بڑے میاں! یہ آپ کا تھیلا چھین کر گیا تھا اور آپ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا! تو بڑے میاں آگے سے جواب دیتے ہیں کہ مجھے ایک خیال آ گیا تھا جس کی وجہ سے میں نے اسے اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ بڑے میاں! کیا خیال آیا تھا؟ بڑے میاں جواب دیتے ہیں:

''میں نے علما سے سنا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کا حساب کتاب ہوگا، میں وہاں موجود ہوں گا۔ جب تک آخری امتی کا حساب نہیں ہوگا، میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ میرا تھیلا لے کر بھاگا ہے، اگر میں نے معاف نہ کیا تو قیامت کے دن یہ مقدمہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا، جتنی دیر اس مقدمے کے فیصلے میں لگے گی، میری وجہ سے میرے آقا ﷺ کو جنت میں جانے میں اتنی ہی دیر ہو جائے گی۔ لہٰذا میں نے اسے معاف کر دیا تاکہ نہ ہی مقدمہ پیش ہو اور نہ ہی میری وجہ سے میرے آقا ﷺ کو جنت میں جانے میں تاخیر ہوگی۔''

ایک یہ طریقہ زندگی ہے۔

دل کی آواز:

اب آپ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیجیے کہ ہم جس طریقہء زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں وہ سونا ہے، لیکن کفر اپنی طاقت کے ڈنڈے کی وجہ سے اپنے پیتل کو بھی سونا ثابت کرنا چاہتا ہے...... وہ حیا کو برا بنا رہا ہے اور بے حیائی کو اچھا بنانا چاہتا ہے...... وہ ایثار کو برا بنا رہا ہے اور خودغرضی کو اچھا بنانا چاہتا ہے...... اسی طرح جو سات مختلف پوائنٹس میں نے آپ کے سامنے کھولے ہیں ان کو آپس میں Compair (موازنہ) کر کے دیکھیں تو یقیناً دل سے آواز آئے گی کہ دین اسلام ہی صحیح طریقہ زندگی ہے۔

ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں ایسے گھروں میں پیدا کیا جہاں بچپن سے ہم نے کلمہ پڑھا۔ ماں گود میں لے کر ہمیں لوریاں دیتی تھی تو کلمہ پڑھا کرتی تھی۔ جب کچھ بڑے ہوئے تو باپ انگلی سے پکڑ کر مسجد لے جاتا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی ہمیں اللہ کے گھر کا راستہ دکھایا۔ الحمدللہ، آج میچورٹی (پختگی) کی اس ایج (عمر) میں پہنچ کر جب ہم خود ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچتے ہیں تو اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے دل سے آواز نکلتی ہے کہ دین اسلام ہی صحیح طریقہ زندگی ہے۔ اللہ! یہ نعمت آپ نے ہمیں عطا فرمائی، ہم اس پر آپ کے شکر گزار ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرما دینا۔ ہم سے خطائیں ہو جاتی ہیں، گناہ ہو جاتے ہیں، وہ ہمارے نفس کی خباثت کی وجہ سے ہیں، لیکن ہم اس بات پر خوش ہیں کہ آپ نے ہمیں دین اسلام دیا۔

رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا

اللہ رب العزت ہمیں اس دین کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾

(آل عمران: ۱۹)

مسلمانی کی قیمت

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

بھئی! سوچا کریں، اگر جاہل جہالت والا کام کر رہا ہے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے، میں تو وہ کام کروں گا جو میرے شایانِ شان ہوگا۔ اس لیے مومن کو کیا کرنا چاہیے؟ جو مومن کے شایانِ شان ہو۔ اب یہ نہیں کہ جو اگلے نے کہا ہو اسی طرح کا جواب دیا جائے۔ اگر کوئی آکر گالی بک دے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم بھی اس سطح پر اتر کر وہی کچھ کہنا شروع کر دیں؟ ہم تو یہ نہیں کہیں گے۔ بھئی! اگر وہ گالیاں دے کر چلا بھی جائے گا تو پھر بھی ہمیں اس وضع قطع کی قیمت چکانا ہوگی۔ آخر ہم نے سنت تو اختیار کی ہے نا، پھر اس نسبت کی لاج رکھنی ہوتی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

مسلمانی کی قیمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامِ ﴾ ۝

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دینِ اسلام کی برکات:

دینِ اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ اس کی تعلیمات دنیا کے ہر فرد کے لیے قابلِ عمل ہیں۔ ان تعلیمات میں یہ حسن پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی فرد ان پر عمل پیرا ہو تو وہ فرد کامیاب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی قوم ان تعلیمات کو حرزِ جان بنا لے تو وہ قوم دنیا کی بہترین اور کامیاب ترین قوم بن جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی دین اسلام کو سینے سے لگا کر نکلے تھے، جدھر بھی ان کے قدم پڑتے تھے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ یہ اسی آفاقی دین کی برکت ہی تھی کہ افریقہ کے جنگلوں میں رہنے والے درندے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ان کے مشن کی تکمیل میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ انہوں نے اس دین کی وجہ سے دنیا کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا۔ کہنے والے نے کہا: ؎

بات کیا تھی کہ نہ قیصر و کسریٰ دبے
چند وہ لوگ کہ اونٹوں کو چرانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکہ
بن گئے دنیا کی تقدیر بدلنے والے

ایک سٹور کی ریٹرن پالیسی:

بیرون ملک میں ایک مرتبہ عجیب تجربہ ہوا۔ وہاں پر بہت بڑے بڑے سٹور بنے ہوئے ہیں۔ وہ اتنے بڑے ہیں کہ اندر جا کر دیکھیں تو پورا ایک محلّہ آباد نظر آتا ہے۔ انسان چل چل کے تھک جاتا ہے مگر باہر نہیں نکل پاتا۔ وہاں ہزاروں لوگ خریدار ہوتے ہیں۔ دن رات لوگ گاڑیوں میں آ رہے ہوتے ہیں اور جا رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے ایک دوست نے وہاں سے کوئی چیز خریدی۔ انہوں نے اس کا ڈبہ کھولا اور استعمال کیا۔ بعد میں ان کو پتہ چلا کہ فلاں چیز شاید اس سے زیادہ بہتر ہے یا کسی نے کہہ دیا کہ یہ کوئی اچھی انویسٹمنٹ نہیں۔ انہوں نے کہا: کوئی بات نہیں میں واپس کر دیتا ہوں...... دین اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب کوئی خریدار چیز خرید کر جائے اور واپس کرنے آئے کہ یہ مجھے پسند نہیں تو چیز دکاندار واپس لے لے، اُس کے لئے جنت کی بشارت ہے...... یہ تو ہم نے پڑھا تھا لیکن یہ پتہ نہیں تھا کہ کفار نے کہاں کہاں دنیا کے فائدے کی خاطر اسلام کی تعلیمات کو اپنایا ہوا ہے۔

ہم بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا تو ان کا ایک علیحدہ سیکشن بنا ہوا تھا جو باقاعدہ ریٹرن پالیسی کے تحت کام کر رہا تھا۔ انہوں نے چیزیں واپس کرنے کے قوانین بنائے ہوئے تھے۔ وہاں دس بارہ آدمی چیزیں واپس کرنے کے لیے کھڑے تھے۔ اس سیکشن میں ان کا ایک آدمی بیٹھا تھا جو لوگوں سے چیزیں واپس لے کر ان کو پیسے دے رہا تھا۔

☆......اس کے پاس پہلا آدمی گیا اور اس نے کہا: جی میں یہ چیز لے کر گیا تھا یہ ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس نے کہا: اچھا۔ چنانچہ اس نے وہ چیز فوراً واپس رکھ لی اور اسے پیسے دے دیے۔ ہم حیران ہوئے کہ اس نے تحقیق بھی نہیں کی کہ پہلے کی ٹوٹی ہوئی تھی یا خود توڑ کر لایا ہے۔ ایک منٹ میں وہ بندہ فارغ ہو گیا۔

☆......پھر دوسرا آدمی آگے بڑھا۔ اس نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا جی میں نے یہ چیز لی ہے مگر مجھے اس کا کلر پسند نہیں آیا۔ اس نے اس سے بھی چیز لے کر رکھ لی اور پیسے دے دیے۔ مجھے اور بھی حیرانی ہوئی۔

☆......پھر تیسرے بندے نے چیز واپس کی، اس نے اس سے پوچھا: کیوں واپس کر رہے ہو؟ اس نے کہا: جی مجھے لگتا ہے کہ میں نے یہ چیز زیادہ مہنگی خریدی ہے میں کہیں اور سے سستی خرید سکتا ہوں۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ اس نے اس سے بھی چیز لے لی اور پیسے دے دیے۔

☆......اگلا نمبر ہمارے دوست کا تھا۔ اس نے پوچھا: جناب آپ کیوں واپس کر رہے ہیں؟ اس نے کہا: جی میں نے یہ مشین خریدی تھی اور میں نے اسے ایک مہینے تک استعمال کیا ہے مگر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں نے اپنے پیسے ٹھیک استعمال نہیں کیے۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ جب اس نے دیکھا تو اس کے پارٹس بھی پورے نہیں تھے، وہ اس کا ڈھکنا گھر بھول گئے تھے۔ اس نے پوچھا: اس کا ڈھکنا کدھر ہے؟ کہا اوہو! میں تو وہ لانا ہی بھول گیا۔ اس نے کہا: اچھا کوئی بات نہیں۔ پھر اس نے وہ مشین رکھ کر پیسے دے دیے۔ اب تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یا اللہ! یہ کیا عجب معاملہ ہے! ایک بندہ ایک چیز کو خرید کر ایک ماہ تک اپنے گھر میں استعمال کرتا ہے اور بغیر کسی وجہ کے استعمال شدہ چیز واپس لاتا ہے اور پھر اس کے پارٹس بھی پورے نہیں اس کو بھی وہ لے لیتا ہے۔

اس چیز نے مجھے حیران کر دیا۔ میں بڑی دیر تک سوچتا رہا۔ بالآخر پھر ہم نے اس سے سوال پوچھا، ہم نے کہا کہ اگر یہ پالیسی بن جائے تو پھر بیچنے والے کا تو حشر ہی ہو جائے گا۔ ہر بندہ اس سے خریدے گا۔ کوئی اس لیے واپس لائے گا کہ ہمیں اس کا کلر پسند نہیں۔ کوئی اس لیے لائے گا کہ چیزیں پسند نہیں۔ کوئی کہے گا میری بیوی نے یہ کہا۔ کوئی کہے گا کہ میرے بھائی نے یہ کہا۔ کوئی کہے گا کہ مجھے مزہ نہیں آیا۔

اس نے کہا: جی بات تو ایسے ہی ہے لیکن مشاہدہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ خریدنے والے کے دل میں ایک تسلی ہوتی ہے کہ میں یہ جو چیز خرید رہا ہوں میں اسے خریدنے کے بعد بھی واپس کر سکتا ہوں۔ یعنی اس چیز میں اگر کوئی اونچ نیچ بھی ہوگی تو وہ اس اونچ نیچ کو پورا کر دیں گے۔ لہٰذا خریدنے والے ایک ہزار لوگ آتے ہیں اور واپس کرنے والے دس بارہ آتے ہیں۔ یہاں پر لوگ مصروف ہی اتنے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس دوبارہ آنے کا وقت ہی نہیں ہوتا۔ وہ ایک مرتبہ چیز لے کر جاتے ہیں تو دوبارہ ان کے پاس آنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی، لہٰذا تجربہ کہتا ہے کہ جو ایک ہزار آدمی خرید کر جاتے ہیں، ان میں سے صرف دس بارہ افراد ہی واپس آتے ہیں۔ حالانکہ ریٹرن پالیسی بھی بنی ہوئی ہے۔ اس طرح ہم نو سو نناوے گاہکوں سے تو منافع کماتے ہیں نا۔ اگر دس بندے اس چیز کو خراب کر کے بھی واپس کر دیں تو بھی ہمارے منافع میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

یہ سوچ تو کسی تاجر کی ہی ہو سکتی ہے، ہم تو اس سوچ پر نہیں پہنچے تھے۔ تب ہمیں احساس ہوا کہ اسلام نے ہمیں چودہ سو سال پہلے کتنا خوبصورت اصول بتا دیا کہ اگر کوئی گاہک چیز خرید کر لے جائے اور پھر وہ واپس کرنا چاہے تو اسے بخوشی واپس لے لو۔ آنکھ بھی کہتی ہے کہ اس میں نقصان ہوگا اور دماغ بھی کہتا ہے کہ اس میں نقصان ہے مگر تجربہ ثابت کرتا ہے کہ اس میں فائدہ ہے۔ ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ ان

ہزار بندوں کو کیا صرف یہی کام ہے کہ وہ چیزیں خرید کر واپس کر دیں گے۔ سو میں سے ایک دماغ ہی اس طرح کا ہوگا۔ باقی تو اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوتے ہوں گے۔ اور وہ لوگ جو چیزیں واپس کرتے ہیں ان سب کی قیمت لگا کر وہ ہزار پر تقسیم کر دیتے ہیں۔

پھر اس نے ایک عجب بات کہی جو آپ کو بتانی تھی، پہلے تو میں نے آپ کو بیک گراؤنڈ (پس منظر) بتایا ہے تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ یہ بات کر کیوں رہے ہیں۔ ......اس نے یہ کہا: جب نام بڑا ہوتا ہے تو اس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے......وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ جب کسی چیز کا نام مشہور و معروف ہوتا ہے تو اس چیز کے وقار کو بحال رکھنے کے لیے یہ چھوٹے موٹے نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

نسبت کی لاج رکھیں:

یہاں سے ہمیں ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان کا ایک نام ہے، یہ اللہ کو ماننے والا ہے، یہ نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنے والا ہے، یہ دین دار ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی احترام ہے اور لوگوں کے ہاں بھی اس کا ایک وقار ہے۔ چنانچہ جب ہم کسی سے کہیں کہ جی ہم مسلمان ہیں تو وہ پھر توقعات رکھتا ہے۔ لہٰذا اس اسلام اور اس مسلمانی کی قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ شاید آپ ابھی نکتے پر نہیں پہنچے، نکتہ یہ ہے کہ مومن کو زیب نہیں دیتا کہ جاہل کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے، یہ چیز حدیث پاک سے ثابت ہے۔

لَا يَنْبَغِيْ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اَنْ يَّجْهَلَ مَعَ مَنْ جَهَلَ وَ فِيْ جَوْفِهِ الْقُرْآنُ

[صاحب قرآن کو یہ چیز زیب نہیں دیتی کہ وہ جاہلوں سے جہالت کی بات کرے اور اس کے سینے میں اللہ کا قرآن بھی ہو]

بھئی! سوچا کریں، اگر جاہل جہالت والا کام کر رہا ہے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے میں تو وہ کام کروں گا جو میرے شایانِ شان ہوگا۔ اس لیے مومن کو کیا کرنا چاہیے؟ جو مومن کے شایان شان ہو۔ اب یہ نہیں کہ جو اگلے نے کہا ہو اسی طرح کا جواب دیا جائے۔ اگر کوئی آ کر گالی بک دے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم بھی اس سطح پر اتر کر وہی کچھ کہنا شروع کر دیں؟ ہم تو یہ نہیں کہیں گے۔ بھئی! اگر وہ گالیاں دے کر چلا بھی جائے گا تو پھر بھی ہمیں اس وضع قطع کی قیمت چکانا ہوگی۔ آخر ہم نے سنت تو اختیار کی ہے نا، پھر اس نسبت کی لاج رکھنی ہوتی ہے۔

ایسی دینداری کس کام کی؟

ہم صوفی تو بن جاتے ہیں، طالب علم تو بن جاتے ہیں، کب تک؟ جب تک سب ٹھیک ہے۔ ذرا سا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو تصوف بھی رخصت ہو جاتا ہے اور علم بھی چلا جاتا ہے، ہر چیز سے چھٹی ہو جاتی ہے، یہ بھی اسی جاہل کی طرح بن جاتا ہے۔ اس کی دینداری کس کام کی ہے؟ کیا دین نے ہمیں یہی سکھایا ہے؟ غور کریں کہ کتنے خاوند ایسے ہیں جو ذرا سی بات پر بیویوں کو ننگی گالیاں دیتے ہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کا گھر میں کسی دوسرے بھائی کے ساتھ تنازع ہوتا ہے تو غیبت بھی کرتے ہیں، الزام بھی لگاتے ہیں، حتیٰ کہ بہتان لگانے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ کیا اس وقت ان کی نظر میں سب کچھ روا ہو جاتا ہے؟ کیا یہی دینداری ہے؟ کہتے ہیں: جی میں تو اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔ یاد رکھیں کہ یہ مومن کا شیوہ نہیں۔ اسلام نے کہا ہے کہ اگر تم کسی سے بدلہ بھی لینا چاہتے ہو تو اتنا لو جتنا اس نے تم پر ظلم کیا، اس سے زیادہ نہیں۔ وَ اِنْ تَعْفُوْا (اور اگر اس کو بھی تم معاف کر دو گے)......تو تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ ہمیں تو یہ تعلیمات دی گئی ہیں۔

بچھو کے ساتھ خیر خواہی:

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک بچھو کو ڈوبتے ہوئے دیکھا ......بچھو پانی میں تیرتا نہیں...... جب انہوں نے بچھو کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو جلدی میں انہوں نے اسے نکالنے کی کوشش کی۔ جیسے ہی انہوں نے اسے نکالنے کی کوشش کی، بچھو نے انہیں ڈنگ مار دیا۔ وہ چیز ہی ایسی ہے کہ اگر کوئی اس کے ساتھ بھلا بھی کرنا چاہے تو وہ اسے بھی ڈنگ مار دیتا ہے۔ جب انہیں ڈنگ لگا تو پھر بھی وہ اسے بچانے کی فکر میں لگے رہے۔ ساتھ والے نے دیکھ کر کہا: جی اس نے تو آپ کو ڈنگ مارا ہے، پہلی مرتبہ تو جلدی میں آپ نے اپنا ہاتھ استعمال کر لیا تھا، مگر اب آپ اسے کسی چیز کے ذریعے نکال رہے ہیں کہ خود بھی ڈنگ سے بچیں اور اسے بھی بچا دیں۔ آپ اس کے ساتھ اتنی خیر خواہی کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں وہ برا ہے، مگر وہ اپنی برائی نہیں چھوڑ رہا۔ اللہ نے مجھے اچھائی دی ہے تو میں اپنی اچھائی کیوں چھوڑ دوں؟ ...... یہ ہے دینداری، یہ ہیں اسلام کی تعلیمات۔

جگری یار بنانے کا اسلامی اصول:

اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اگر کوئی بندہ تمہارے ساتھ برائی کا سلوک بھی کرے ورتم اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو گے تو وہ تمہارا جگری یار بن جائے گا۔

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ ﴾ (حم سجدہ: 34)

[دفعیہ اس بات سے کرو جو اچھی ہو، پھر تیری جس کے ساتھ دشمنی تھی ایسا ہو گا جیسے مخلص دوست ہوتا ہے]

یہ سنہری اصول اگر خود ہمیں سوچنے پڑتے تو ہم تو کبھی سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ

اللہ رب العزت کا ہم پر احسان ہے اور نبی علیہ السلام کی شفقت ہے کہ انہوں نے ہمیں یہ اصول سمجھا دیے، ورنہ ٹکریں مار مار کر بھی ہم وہ باتیں نہ سمجھ پاتے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے ہمیں ویسے ہی بتا دی ہیں۔ ہمارے اکابر نے دوسروں کے ساتھ ہمیشہ اچھائی کا معاملہ کیا۔

بے رخی کرنے والے سے حسنِ سلوک:

ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بال کٹوانے کے لیے کسی حجام کے پاس گئے۔ ظاہر میں انہوں نے معمولی سا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ جب اس نے بال کاٹنے کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بٹھانے کی تیاری کی تو اتنے میں ایک امیر آدمی آ گیا۔ حجام نے سوچا کہ یہ تو ایک فقیر آدمی ہے، مجھے اس سے کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ اس نے پہلے امیر آدمی کو بٹھا دیا اور کہا کہ میں تو پہلے اس کے بال بناؤں گا۔ یہ سن کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ٹھیک ہے آپ اسی کے بال پہلے بنا دیں۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادم سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس وقت کچھ ہے؟ اس نے کہا: جی میرے پاس آپ کے تین سو دینار ہیں۔ فرمایا کہ یہ تین سو دینار اس حجام کو ہدیہ دے دو۔ حالانکہ اس وقت بال بنوانے پر ایک دینار بھی خرچ نہیں ہوتا تھا۔ تین سو دینار اسے دے دیے اور فرمایا کہ میں اب اس سے کٹواتا بھی نہیں پھر واپس آ گئے۔ واپس آتے ہوئے انہوں نے ایک شعر کہا:

عَلَیَّ ثِیَابٌ لَوْ یُبَاعُ جَمِیْعُهَا

بِفُلْسٍ لَکَانَ الْفُلْسَ مِنْهُنَّ اَکْثَرَا

وَ فِیْهِنَّ نَفْسٌ لَوْ تُقَاسُ بِبَعْضِهَا

نُفُوْسُ الْوَرٰی کَانَتْ اَجَلَّ وَ اَکْبَرَا

میرے اوپر ایسے کپڑے ہیں کہ اگر ان تمام کپڑوں کو پیسوں کے بدلے میں بیچا جائے تو ایک درہم بھی ان کپڑوں کی قیمت سے زیادہ ہو جائے گا مگر ان کپڑوں میں ایک ایسی جان ہے کہ اگر اس کے ایک جز کا کل مخلوق کی جانوں سے مقابلہ کیا جائے تو وہ جان بھاری ثابت ہو۔

دنیا امن کا گہوارہ بن جائے، اگر:

اپنے معاملات میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہم اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کریں۔ اس میں نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''میں اس شخص کو جنت میں گھر دلانے کا ضامن ہوں جو جھگڑا کرنا ترک کر دے، اگرچہ وہ حق پہ ہی کیوں نہ ہو''

تو دیکھیں کہ نبی علیہ السلام نے اسلامی معاشرے میں کتنا امن پیدا کر دیا۔ اگر ہم اسی زریں اصول کو اپنا لیں تو دنیا میں امن ہو جائے۔ ہم تو ناحق بات پر بھی دوسروں کے ساتھ جھگڑا بڑھا رہے ہوتے ہیں۔ خود غلط ہوتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ جھگڑا بھی بڑھا رہے ہوتے ہیں۔ ہمارا کیا حال ہوگا؟ ہم اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے سامنے قیامت کے دن کیا منہ دکھائیں گے؟!

بھئی! اگر ہم نے چہرے پر سنت سجالی، اگر ہم نے سر پر سنت کا تاج رکھ لیا، اگر ہم نے محبوب ﷺ والی پوشاک پہن لی، تو یاد رکھیں کہ اس کی قیمت بھی چکانا پڑے گی۔ کوئی کچھ بات کرے گا اور کوئی کچھ دنیا دار تو باتیں کرتے ہی ہیں، وہ دینداروں سے کہاں خوش ہوتے ہیں! وہ تو انہیں دیکھ کر آوازیں کستے ہیں، تو کیا ہم بھی ان کے سامنے دنیا دار ہی بن جائیں؟ نہیں، ہم وہ کریں گے جس کا ہمیں محبوب ﷺ نے حکم دیا ہے۔ بڑے فائدے کی خاطر چھوٹے نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس بات کو کافر نے تو سمجھ لیا، مگر افسوس کہ ہم مسلمانوں کو یہ بات سمجھ میں نہ آئی!

ایک سبق آموز واقعہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ کشتی میں سفر کر رہے تھے، اس وقت ان کے پاس چھ ہزار دینار تھے۔ راستے میں ایک بندے نے ان کے ساتھ بات چیت کرنا شروع کر دی۔ باتوں باتوں میں انہوں نے تذکرہ کر دیا کہ میرے پاس اتنی رقم ہے، بس ایسے ہی بر سبیل تذکرہ بات کر دی۔ وہ کوئی بڑا شاطر انسان تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے شور مچا دیا کہ میرے پاس ایک تھیلی تھی وہ کسی نے چوری کر لی ہے۔ اس میں میرے چھ ہزار دینار تھے، لوگوں نے پوچھا کہ وہ تھیلی کس رنگ کی تھی؟ اس نے کہا: وہ اس رنگ کی تھی۔ کیونکہ اسے پتہ تھا کہ ان کے پاس اس رنگ کی تھیلی میں اتنے ہزار دینار ہیں۔ جب اس نے شور مچایا تو کشتی کے سب لوگ کہنے لگے کہ سب کی تلاشی لو تاکہ پتہ چلے کہ وہ کہاں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے۔ انہوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اگر لوگ تلاشی لیں گے اور انہیں میرے پاس سے تھیلی مل جائے گی۔ تو مجھے سب لوگ چور سمجھیں گے۔ اس بندے کو پکا پتہ تھا کہ میرے رشتہ دار بھی میرے ساتھ ہیں، جب ان کی تلاشی لی جائے گی اور ان کے پاس اسے پائیں گے تو لے لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے تلاشی لینا شروع کر دی، جب تلاشی لیتے لیتے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور ان کی تلاشی لی تو ان کے پاس بھی تھیلی نہیں تھی۔ پوری کشتی میں سے تھیلی کہیں سے نہ ملی، اس نے اپنی جھوٹی اور بناوٹی پریشانی کا مزید اظہار کیا۔

جب کشتی کنارے پر لگی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آگے چلے تو وہ آدمی آپ کے قریب آیا، اس نے حضرت سے معافی مانگی اور کہا: جی میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، آپ اچھے بندے ہیں لہٰذا مجھے معاف کر دیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا، پھر اس نے سوال کیا:

حضرت ﷺ! آپ نے مجھے معاف تو کر دیا مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے وہ تھیلی چھپائی کہاں تھی؟ فرمایا! جب میں نے اعلان سنا کہ تھیلی چوری ہوگئی ہے تو میں سمجھ گیا تھا میں چونکہ کنارے پر بیٹھا تھا اس لئے میں نے وہ تھیلی چپکے سے دریا میں گرا دی۔ اس حیران ہو کر پوچھا چھ ہزار دینار کی تھیلی دریا میں پھینک دی؟ فرمایا: ہاں اگر میں اسے اپنے پاس رکھتا تو لوگ مجھے چور سمجھتے، کیا مجھ سے کوئی حدیث کی روایت کرتا؟ اگر میں ایسا نہ کرتا اور چوری کا الزام مجھ پر ثابت ہو جاتا تو میں حدیث پاک کی روایت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا۔ میں نے روایت حدیث والی نعمت کو بچانے کی خاطر اس مال کو قربان کر دیا۔

اسلامی تعلیمات کا لب لباب:

اگر آج ہم کسی کو بات سمجھائیں کہ اللہ کے بندو! گھروں میں تم حسن اخلاق سے رہو اور وہ گھر میں حسن اخلاق سے رہنا شروع کر دے تو لوگ اسے کہتے ہیں کہ یہ زن مرید ہے۔ یاد رکھیں اگر گھر میں حسن اخلاق سے رہنے کو زن مریدی کہتے ہیں تو اس کا حکم پروردگار نے دیا ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: 19)

[اور تم ان (بیویوں) کے ساتھ حسنِ اخلاق کی زندگی گزارو]

جابر بن کر نہیں، قاہر بن کر نہیں، ظالم بن کر نہیں بلکہ حسنِ اخلاق کی زندگی گزارو۔ یہ تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا اور پھر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو اور زیادہ مؤکد کر دیا، وہ کیسے؟ جب کوئی بندہ تقریر کرتا ہے تو تقریر کے آخر میں جا کر وہ پوری بات کا نچوڑ نکالتا ہے۔ اس کے آخر کی دو چار باتیں اس کے پورے وعظ کا لب لباب ہوتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس دنیا میں رہ کر دین کی تعلیمات دیں اور جب آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرمانے لگے تو اللہ کے حبیب

ﷺ نے اس امت کو وصیت کے رنگ میں جو آخری بات کی وہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا لب لباب تھا۔ فرمایا!

اَلتَّوْحِیْدَ اَلتَّوْحِیْدَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

''یعنی توحید پر ڈٹے رہنا! توحید پر ڈٹے رہنا اور جو تمہارے ماتحت ہیں ان کے حقوق کا خیال رکھنا''۔

اگر حسن اخلاق کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام زن مریدی ہے تو پتہ نہیں کہ کہاں کہاں تک بات چلی جائے گی۔

بیوی کی تلخی برداشت کرنے کی وجہ:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان کی بیوی تیز مزاج کی تھی...... اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ جو کمزور ہوتا ہے اس کی زبان زیادہ چلتی ہے اور جو طاقتور ہوتا ہے اس کا ہاتھ زیادہ چلتا ہے۔ اس لیے عورت کی زبان زیادہ چلتی ہے اور مرد کا ہاتھ زیادہ چلتا ہے...... ان صحابی رضی اللہ عنہ نے سوچا اب میں کیا کروں۔ پھر خیال آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت سخت مزاج ہیں ہر کسی کو سیدھا کر کے رکھتے ہیں، درہ ہر وقت ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ سیدھا کر دیتے ہیں، ان سے جا کر مشورہ کرتا ہوں۔ میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ اونچی آواز سے باتیں کر رہیں تھی، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی بات پر جھگڑا کر رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے تحمل سے سن رہے تھے۔ جب ان صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے گھر والوں سے ایسی باتیں سن رہے ہیں۔ تو واپس جانے کی سوچی، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر آئے، فرمایا: السلام علیکم، انہوں نے جواب میں وعلیکم السلام کہا اور کہا کہ میں واپس جاتا ہوں۔ پوچھا: واپس کیوں جاتے ہو؟ کہنے لگے: آیا تو اس لیے تھا کہ آپ کی طبیعت کے اندر سختی اور

نظم وضبط ہے۔اس لیے آپ مجھے اجازت دے دیں گے کہ اچھا اگر یہ معاملہ ہے تو پھر یہ کرو اور وہ کرو۔لیکن آپ تو یہاں اس سے بھی زیادہ سن رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بٹھایا اور فرمایا: یہ میری بیوی بھی ہے......

یہ میری دھوبن بھی ہے۔

یہ میری باورچن بھی ہے۔

یہ میرے گھر کی بھنگن بھی ہے۔

یہ میرے بچوں کو پالنے والی بھی ہے۔

جب میری خاطر وہ یہ تمام کام کر رہی ہے تو کیا میں اس کے سخت الفاظ کو برداشت نہیں کر سکتا؟ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے حسنِ اخلاق کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے بہت سا اجر بھی کما رہی ہوتی ہے۔مثال کے طور پر:

⊙......اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر میں اپنے بچے کی وجہ سے رات کو جاگتی ہے تو اللہ اسے اس مجاہد کے برابر اجر عطا فرما دیتے ہیں جو ساری رات جاگ کر دشمن کی سرحد پر پہرہ دیا کرتا ہے......سبحان اللہ......عورت کو گھر کے نرم بستر پر اللہ تعالیٰ جہاد کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔

⊙......ایک حدیث پاک میں ہے کہ جو عورت اپنے خاوند کے گھر میں کوئی بے ترتیب پڑی ہوئی چیز کو اٹھا کر ترتیب کیساتھ رکھ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک نیکی عطا فرماتے ہیں، ایک گناہ معاف فرماتے ہیں اور جنت میں ایک درجہ بلند فرما دیتے ہیں۔

⊙......عورت کو خاوند کے گھر میں کھانا پکانے کا بھی ثواب ملتا ہے کیونکہ اگر وہ سالن بناتے وقت اس میں ایک گھونٹ زیادہ پانی اس نیت سے ڈال دے کہ شاید کوئی مہمان آجائے یا ہمیں کسی پڑوسی کو کھانا دینا پڑ جائے تو اس عورت کو مہمان کا کھانا پکانے کا

ثواب دیا جاتا ہے۔

⊙ ......اسی طرح اسے خاوند کے گھر میں کپڑے دھونے پر اجر و ثواب ملتا ہے۔لیکن ان سب کاموں کے کرنے میں اس کی کوئی شرعی ذمہ داری نہیں ہے۔

ایک انتہائی نازک مسئلہ:

اگر فقہ کا مسئلہ ہم عورتوں کو سمجھا دیں جو شریعت نے کہا ہے تو پھر خان صاحب اور ملک صاحب سب کو اپنی اوقات کا پتہ چل جائے۔

⊙ یہ کھانا پکا کے دینا، کیا اسکی شرعی ذمہ داری ہوتی ہے؟ نہیں، یہ اس کا حسنِ اخلاق ہوتا ہے۔

⊙ یہ کپڑے دھونا، کیا اس کی شرعی ذمہ داری ہے؟ نہیں، یہ اس کا حسنِ اخلاق ہے۔

⊙ یہ بچے پالنا، اس کی شرعی ذمہ داری ہے؟ نہیں، یہ اس کا حسن اخلاق ہے۔

⊙ اس کے گھر میں جھاڑو دینا؟ کیا اس کی شرعی ذمہ داری ہے؟ نہیں، یہ اس کا حسنِ اخلاق ہے۔

⊙ خاوند کے والدین کی خدمت کرنا، کیا اس کی شرعی ذمہ داری ہے؟ یہ اس کا حسنِ اخلاق ہے۔

خاوند کے ان تمام کاموں کو بیوی ہونے کے ناتے وہ کر رہی ہے، ورنہ شریعت کہتی ہے کہ اس کے والدین کے گھر میں جیسی اس کی زندگی تھی اگر وہ مطالبہ کرے میرا طرز زندگی یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تو وہ اپنے خاوند سے ہر چیز پوری کروا سکتی ہے۔ بچہ جنے اور کہے کہ جی اب لے جاؤ پالو اسے، مجھ سے نہیں اس کی پوتیاں صاف ہوتیں، تمہاری اولاد کی خاطر مجھ سے راتوں کو نہیں جاگا جاتا، یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔ اب اپنے بچے کی تربیت کا انتظام کرنے کے لیے کہاں جاؤ گے؟ بچے کی خاطر وہ کیا کیا تکلیفیں اٹھاتی ہے۔ اگر وہ کہے کہ مجھ سے گھر میں جھاڑو نہیں دیا جاتا، میں اس گھر

کی عورت ہوں جہاں گھر میں نوکرانی کام کرتی تھی، تم بھی جھاڑو دینے کے لیے کوئی نوکرانی رکھ لو تو فقہا نے لکھا ہے کہ خاوند کو انتظام کرنا پڑے گا۔ اس کی زندگی کا جو معیار تھا اگر وہ مطالبہ کرے گی تو پھر اسے وہ معیار دینا ہوگا۔ پھر سمجھ لگ جائے گی۔

وہ بیچاری خاوند کی محبت میں ایک ایک چیز کا خیال رکھ رہی ہوتی ہے، ایک ایک کام کر رہی ہوتی ہے اور گھر کی ذمہ داریاں سر پر لے رہی ہوتی ہے اور ملک صاحب اور خان صاحب، سید ھے منہ بات ہی نہیں کرتے۔ ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں اور پھر دو مہینے تک اسے پوچھتے ہی نہیں، اسے لٹکا کر ہی رکھتے ہیں۔ یاد رکھیں! کہ اس کی ماں نے اس کو آزاد جنا ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''تم ان کو گھر میں قیدی مت بنا دینا''

ایک خاوند کی ناگفتہ بہ حالت:

ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو بیوی کو ماں باپ سے ملنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ایک صاحب نے نو سال تک اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ کے گھر نہیں جانے دیا۔ خود سال میں دو مرتبہ اپنے والدین کو ملنے کے لیے جاتا تھا، لڑکی کے والد حج کے موقع پر مجھے ملے، ان کی آنکھوں سے اتنے موٹے موٹے آنسو ٹپک رہے تھے، وہ کہنے لگے کہ نو سال سے ہم اپنی بیٹی کی شکل دیکھنے کو ترس رہے ہیں۔

جب ان سے پوچھا: کیوں نہیں جانے دیتے؟ تو جواب دیا کہ بس میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ یہیں رہے۔ اس کو اس طرح باندھ کے رکھنے کا کوئی شرعی حق ہے تمہارا؟ خود سال میں ماں باپ کا خیال کرنے کے لیے دو چکر اور بیوی کو نو سال میں ایک دفعہ بھی نہیں جانے دیا، خود ہر تیسرے دن ماں باپ کو فون کرتے ہیں اور بیوی کو نو سال میں ایک مرتبہ بھی فون نہیں کرنے دیا۔ یہ دین دار لوگوں کا حال ہے، ہم فاسق و فاجر کی کیا بات کریں!؟ صوفی صاحب کی زندگی کا یہ حال ہے، کیا یہ عورت قیامت

کے دن اپنے حق کا مطالبہ نہیں کرے گی؟ پھر سمجھ لگ جائے گی۔ بعض لوگ تو ایسے خاوند کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بڑا اچھا خاوند ہے جو بیوی پر حاوی ہے۔ نہیں یہ تو سراسر ظلم ہے۔

توڑنے والے سے رشتہ جوڑنے کا حکم:

اسلام نے بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے۔ کیا کافر کے ساتھ ایسا کرنے کا حکم ہے؟ نہیں، مومن کے ساتھ ایسا کرنا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ))

[تو اس سے جوڑ جو تجھ سے توڑے]

اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ کافر توڑے تو تم جوڑو؟ ...... یا یہ مومن کے لئے ہے؟ ...... یا فقط دوستوں کے لئے ہے؟ ...... اس کا مطلب یہ ہے کہ

- اگر بیوی ناراض بھی ہونا چاہے تو تم اس کو ناراض نہ ہونے دو۔
- اگر پڑوسی ناراض بھی ہونا چاہے تو تم اس کو ناراض نہ ہونے دو۔
- اگر پیر بھائی ناراض بھی ہونا چاہے تو تم اس کو ناراض نہ ہونے دو۔
- تمہارا سگا بھائی ناراض بھی ہونا چاہے تو تم اس کو ناراض نہ ہونے دو۔

اب اگر کوئی بندہ اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے تو کیا وہ زن مرید بن جاتا ہے؟ یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ ہم کم از کم اس وضع قطع کا ہی لحاظ رکھا کریں۔ اگر داڑھی والے سو بندوں کی بیویوں کا انٹرویو لیں تو نوے عورتیں توبہ توبہ کریں گی، ایسے خاوند تو نہیں ہوتے چاہییں۔ اب بتائیں کہ اگر نوے بیویوں کی یہ رائے ہو کہ ایسے خاوند نہیں ہونے چاہییں تو دوسری عورتیں داڑھی والوں سے رشتے

کرنے سے ڈریں گی یا نہیں ڈریں گی؟ دیکھیں تو سہی ہم نے داڑھی والوں کے بارے میں کیا تاثر بنایا ہوا ہے۔ یہ تاثر ہے نا کہ سخت مزاج ہوتے ہیں؟ ہونا تو یہ چاہیے کہ عورت دل میں تمنا کرے کہ اللہ مجھے ایسا ہی بندہ شریک حیات مل جائے ہماری زندگی تو ایسی ہونے چاہیے۔

ایک دوشیزہ کی پسند:

ایک بچی نے دین پڑھا، اسے دین کی اہمیت کا پتہ چل گیا، وہ امیر باپ کی بیٹی تھی۔ اس کے باپ نے ایک بڑے انڈسٹریلسٹ (صنعت کار) کے بیٹے سے اس کی شادی کی نسبت طے کردی۔ وہ کروڑوں پتی تھا، وہ بہت خوش تھا کہ میری بیٹی کا رشتہ اچھی جگہ ہو رہا ہے۔

ماں باپ نے مل کر بیٹی سے بات کی کہ ہم آپ کا رشتہ ایک ایسے بندے سے کرنا چاہتے ہیں، جن کے اتنے ایسٹس ہیں، ایسی کمپنی ہے، وہ لوگ کروڑوں پتی ہیں، وہ تو آپ کو بہت کچھ دیں گے اور کلو کے حساب سے آپ کو سونا دیں گے۔ یہ ساری باتیں سن کر اس لڑکی نے کہا:

''ابو! مجھے سونا نہیں چاہئے، مجھ محبوب ﷺ کی سنت چاہئے'' ماں باپ نے بیٹی کی یہ بات سن کر اس کی شادی ایک عالم کے ساتھ کی...... اگر کروڑوں پتی آدمی کے بیٹے سے اس کی شادی ہوتی تو وہ اسے ہنڈا گاڑی میں بٹھا کر لے جاتا اور اِس بیچارے کے پاس ہنڈا موٹر سائیکل بھی نہیں تھی...... اس بچی نے اسی عالم کو قبول کرلیا کہ اس کی نیکی اور دینداری کی زندگی ہے، میں اسی کے ساتھ زندگی گزاروں گی...... آدمی کو ایسا ہونے چاہئے۔ اگر ہم گھر میں روز جھگڑے کریں گے تو لوگ ہمیں دیکھ کر کیا کہیں گے؟ وہ کہیں گے کہ خاوند تو صوفی صاحب ہے اور بیوی بھی پانچ وقت نماز پڑھتی ہے اور برقع بھی پہنتی ہے...... دنیا تو یہی کہے گی کہ وہ خوش زندگی گزار

رہے ہیں۔ مگر ظاہری دینداروں کا تو روز جھگڑا ہو رہا ہوتا ہے۔ تو بھئی! بڑے فائدے کی خاطر چھوٹے نقصان برداشت کرنے پڑتے ہیں...... اس کو زن مریدی نہیں کہتے بلکہ حسن اخلاق کہتے ہیں۔ اور یہ ہمارے محبوب ﷺ کا طریقہ ہے۔

زن مریدی کسے کہتے ہیں؟

زن مریدی کسے کہتے ہیں؟...... زن مریدی اسے کہتے ہیں کہ بیوی خلافِ شریعت بات کہے اور خاوند شریعت کی بات کو چھوڑ کر بیوی کی بات مان لے، اب یہ زن مرید (بیوی کا مرید) بن جائے گا، اس لفظ کا غلط استعمال نہ کیجیے۔ اگر کسی نے دائرہ شریعت کے اندر رہتے ہوئے بیوی کی بات کو قبول کر لیا، اس کی بات مان لی یا اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر لیا تو اس کو زن مریدی نہیں کہتے۔ زن مریدی اس وقت کہلائے گی جب ہم دین کی بات کو چھوڑ کر بیوی کی بات کو مقدم کریں گے۔ تو زن مرید ہم نہیں، بلکہ زن مرید وہ ہیں جو شریعت اور سنت کو چھوڑ کر بیویوں کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ دین دار زن مرید کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو اللہ کے حکموں پر عمل کرنے والا ہے۔

وضع قطع کا لحاظ:

ہمیں چاہیے کہ ہم اس وضع قطع کا لحاظ بھی رکھا کریں۔ ہمیں ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنی چاہیے۔ کوئی ہمارے ساتھ برائی بھی کرے تو بھی ہم اس کے ساتھ اچھائی کریں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو ہمارے ساتھ اچھا ہے، ہم اس کے ساتھ اچھے رہیں گے اور جو ہمارے ساتھ برا ہے ہم اس کے ساتھ برے رہیں گے۔ یہ تو تجارت ہے اس کو اخلاقِ حسنہ نہیں کہتے۔ ہم مومن ہیں اور مومن اچھوں کے ساتھ احسان کا بدلہ تو چکاتا ہی ہے اور جو اچھے نہیں ہوتے، ان کے ساتھ بھی اچھائی کا معاملہ کرتا ہے۔

مومن کو یہی زیب دیتا ہے۔

دل جیت لیا:

جو عورت نبی علیہ السلام کے مبارک سر پر کوڑا ڈالتی تھی، اللہ کے محبوب ﷺ نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟ وہ اکیلی عورت تھی، جب وہ بیمار ہوئی تو پورے مکہ میں سے اس کی تیمارداری کے لیے کوئی بھی نہیں پہنچا تھا، اس لیے کہ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ گھر میں کوئی مرد نہیں تھا، صرف ایک بیٹی تھی۔ اس کا علاج کروانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ جب اس نے دو چار دن کوڑا کرکٹ نہ پھینکا تو اللہ کے محبوب ﷺ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ پتہ چلا کہ وہ چند دنوں سے بیمار ہے اور گھر پر ہی ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اس بڑھیا کے دروازے پر آتے ہیں، دستک دیتے ہیں، اس کی بیٹی بھاگی ہوئی آتی ہے، دروازے کے سوراخ سے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھ کر گھبرا جاتی ہے، ماں کو جا کر بتاتی ہے۔ امی! وہ جس کے سر پر آپ روز مٹی ڈالتی تھیں، وہ آج ہمارے دروازے پر کھڑا ہے، لگتا ہے کہ وہ آج کہیں ہمیں جان سے ہی نہ مار دے۔ وہ عورت بھی سن کر گھبرا گئی۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دوسری مرتبہ پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ماں نے کہا: بیٹی! دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھولا تو بچی نے پوچھا: جی آپ کیسے ہمارے دروازے پر آئے؟ اللہ کے محبوب ﷺ پوچھتے ہیں کہ آپ کی امی ٹھیک ہیں؟ کیا ان کی صحت اچھی ہے؟ میں اس لیے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں کہ اگر مریضہ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

اس عورت کے دل پر چوٹ لگی کہ بھرے شہر میں سے کسی نے مجھے آکر پوچھا تک نہیں اور جس کے ساتھ میں ایسا سلوک کرتی تھی، وہ مجھے دوائی لیکر دینے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگی: جی! آپ نے تو میرا دل جیت لیا ہے۔ بس پہلے کلمہ پڑھا کر مجھے

مسلمان کر دیجیے..... اللہ اکبر۔

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾

[برائی کو اچھائی کے ساتھ دور کرو]

اولیاء اللہ کے روپ کا لحاظ:

اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک بہروپیا تھا، وہ مختلف لوگوں کی شکلیں بنا لیتا تھا اور دوسرے بندوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ لیکن وہ روپ بدل کر جب بھی اورنگزیب عالمگیر کے پاس جاتا تو وہ اسے فوراً پہچان لیتا۔ وہ مطالبہ کرتا کہ مجھے انعام دو، آپ کہتے کہ انعام کیسا؟ میں نے تو آپ کو پہچان لیا۔ انعام تو ہم آپ کو تب دیں گے جب کوئی ایسا کام کرو کہ ہم سمجھ نہ سکیں، یہ سن کر وہ چلا جاتا۔

اس کے ذہن میں ایک عجیب بات آئی، اس نے سوچا کہ اورنگزیب عالمگیرؒ اولیاء اللہ کے بڑے معتقد ہیں، میں جا کر کسی ولی کا روپ بناتا ہوں، چنانچہ وہ شہر سے باہر چلا گیا اور وہاں جا کر ایک خیمہ لگا لیا۔ اور ماشاء اللہ خوب لمبی لمبی تسبیحات رکھ لیں، داڑھی بڑھا لی، بال بڑھا لیے، عمامہ سجا لیا اور جبہ پہن لیا۔ جب کہیں دینی وضع قطع کا کوئی بندہ نظر آئے، لوگ اس کو دعاؤں کے لیے کہتے ہی ہیں۔ ایک بندہ دعا کروانے آیا، دوسرا آیا، پھر تو سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔ جو بھی آتا وہ دعا کر دیتا، حتیٰ کہ لوگوں کا یقین بننے لگ گیا..... کہتے ہیں نا" مرید کا پیر بڑا نہیں ہوتا بلکہ اس کا یقین بڑا ہوتا ہے۔" سچی بات بھی یہی ہے کہ اصل میں اس کے دل میں ایک یقین اور اعتماد ہوتا ہے اور اسی کی بنیاد پر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ کر دیتے ہیں..... اب چونکہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ والا دعا کرتا ہے اور اللہ ہماری مشکل آسان کر دیتا ہے۔ تو ان کی مشکل آسان ہونے لگ گئی، کیونکہ اصول بھی یہی ہے کہ۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ میں بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ مجھ پر گمان کرتا ہے۔

اب لوگوں کا اس کی طرف رجوع ہوتا گیا۔ اگر کوئی بندہ اس کو ہدیہ بھی دیتا تو وہ اس کو واپس کر دیتا اور کہتا کہ مجھے اس سے کیا غرض ہے۔ جب ہدیہ بھی نہ لیتا، دعائیں بھی کرتا اور مشکلیں بھی حل ہو جاتیں تو لوگ اور بھی معتقد ہو جاتے

بات چلتے چلتے اورنگزیب عالمگیرؒ تک جا پہنچی کہ یہاں ایک ایسا اللہ والا ہے جو بڑا ذاکر و شاغل ہے۔ وہ تو دنیا سے بالکل کنارہ کش ہے، اسے زهد في الدنيا نصیب ہے اور وہ اللہ کی یاد میں مست ہے۔ اورنگزیب کی یہ تمنا رہتی تھی کہ ایسے اہل اللہ کی زیارت کی جائے اور ان سے دعائیں کروائی جائیں، چنانچہ انہوں نے جیسے ہی اللہ والے کے بارے میں سنا، اس کی زیارت کرنے کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔

اب بادشاہِ وقت زیارت کے لیے آ رہا ہے۔ جب آئے تو اپنے ساتھ درہم و دینار کی بہت بڑی تھیلی بھی لے آئے کہ میں بعد میں انہیں یہ ہدیہ میں پیش کروں گا۔ بادشاہ اس کے خیمے میں پہنچے اور دعا کرنے کے لیے کہا، اس نے دعا کر دی۔ جانے سے پہلے کہنے لگے: جی میں آپ کے لیے یہ ہدیہ لایا ہوں، اس نے کہا: نہیں نہیں ہمیں اس سے کیا غرض؟ وخود ہی لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ باوجود اصرار کے اس نے وہ تھیلی قبول نہ کی، بادشاہ نے دل میں سوچا کہ واقعی یہ بندہ دنیا سے منہ موڑ چکا ہے، چناچہ ہدیہ دیے بغیر واپس آ گئے، جب اگلے دن انہوں نے دربار لگایا تو وہ بہروپیا پھر آ گیا:

بہروپیے نے کہا: السلام علیکم۔

بادشاہ نے جواب دیا: وعلیکم السلام۔

بہروپیا بولا: بادشاہ سلامت اب تو میں انعام کے قابل ہوں نا؟

بادشاہ نے پوچھا: وہ کیسے؟

بہروپیے نے کہا: جی آپ مجھے نہیں پہچان سکے۔

بادشاہ نے پوچھا: میں کیسے نہیں پہچان سکا؟

بہروپیے نے کہا: کل آپ کسی ولی سے ملنے کے لیے گئے تھے؟

بادشاہ نے حیران ہوکر پوچھا: کیا وہ آپ تھے؟

بہروپیے نے کہا: جی ہاں وہ میں ہی تھا۔

بادشاہ نے تسلیم کرتے ہوئے کہا: او خدا کے بندے! تو نے تو ایسا ڈھونگ رچا کہ واقعی مجھے پتہ نہیں چلا۔

بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا: چلو اسے سو دینار دے دو۔

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! کل تو ہزاروں تھے تھیلی میں اور آج صرف سو دینار؟

بادشاہ نے کہا: اب تو میں صرف سو دینار ہی دے سکتا ہوں۔

بہروپیے نے کہا: جی نہیں مجھے تو زیادہ چاہییں۔

بادشاہ نے کہا: کل تو آپ کو بھری ہوئی تھیلی دی تھی اسی وقت لے لیتے۔

بہروپیے نے کہا: حضرت! بات یہ ہے کہ کل جب آپ تھیلی دے رہے تھے، اس وقت میرے دل میں بھی خیال تو آیا تھا کہ لے لوں، مگر ایک سوچ نے مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

بادشاہ نے پوچھا: آپ کو کس سوچ نے منع کیا؟

بہروپیے نے کہا: اس وقت میں اولیاء اللہ کے روپ میں تھا۔ میرے دل نے کہا اگر تم اس وقت تھیلی لے لو گے تو تم اولیاء کی بدنامی کا باعث بن جاؤ گے۔

اللہ کے بندو! اگر ایک بہروپیا بھی اولیاء اللہ کے روپ کا اتنا لحاظ کر جاتا ہے تو کیا ہم سنت کا اتنا لحاظ بھی نہیں کر سکتے!؟ اگر ہم محبوب ﷺ کی سنت والی زندگی گزار رہے ہیں تو کیا ہم بھی جاہلوں کے ساتھ جہالت کی باتیں کرتے پھریں؟ کیا ہم بھی

پڑوسی کے ساتھ چھوٹے سے جھگڑے کو بڑا بنالیں؟ دنیا جھگڑے بڑھانے کے لیے نہیں بلکہ جھگڑے سمیٹ کرنیکی پھیلانے کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی علیہ الصلوۃ السلام کی مبارک سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّه
حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

حیوانی انسانی اور ایمانی زندگی

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

برموقع: خطبہ جمعۃ المبارک

اقتباس

ایمان انسان کے اندر سے کھوٹ کھرچ کھرچ کر ختم کر دیتا ہے۔ جہاں ایمان کامل ہوگا وہاں سے کھوٹ نکل جائے گا۔ ایمان اور منافقت، یہ دو چیزیں ایک انسان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایمان کی یہ پہچان ہے کہ یہ انسان کے اندر سے دورنگی اور منافقت کو کھرچ کھرچ کر نکال دیتا ہے۔ چنانچہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر ایک آدمی شربت پی رہا ہے اور شربت پیتے ہوئے اس نے نیت کرلی کہ میں شراب پی رہا ہوں، تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس نیت کے ساتھ اگرچہ وہ شربت پی رہا ہے مگر اس کو شراب پینے کا گناہ ملے گا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

حیوانی انسانی اور ایمانی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٭﴾

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٭ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٭

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٭

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

بنی آدم کی عزت افزائی:

انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس کو اللہ رب العزت نے اشرف المخلوقات بنایا اور اس کے سر کے اوپر اللہ تعالیٰ نے عزت کا تاج سجایا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ (بنی اسرائیل: 70)

[اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو عزت عطا فرمائی]

یہ عزت اس انسان کے لیے ہے جو صحیح معنوں میں انسان ہو۔ اگر شکل انسانوں والی ہو اور عمل حیوانوں والے ہوں تو وہ آدمی اس مرتبے کو نہیں پا سکتا۔

سیدھے راستے کی راہنمائی:

جب یہ پیدا ہوتا ہے تو یہ بچہ ہوتا ہے جو کہ کچا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾

(الدھر: 1)

[کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہیں تھا]

اس وقت یہ پانی کا ایک قطرہ تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَّصِيْرًا﴾ (الدھر: 3)

[بے شک ہم نے انسان کو ایک نطفہ سے پیدا کیا، ہم اس کو آزمائیں گے اور ہم نے اس کو سمیع اور بصیر بنایا]

آگے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾

[ہم نے اس کو راستے کی رہنمائی عطا فرمائی یا تو یہ شکر کرنے والا بنے یا یہ انکار کرنے والا بنے]

اب انسان کے سامنے دو راستے ہیں:

(۱) نیکی کا راستہ...... اللہ تعالیٰ کی بندگی کا راستہ

(۲) گناہوں کا راستہ...... اللہ تعالیٰ سے دوری کا راستہ

دونوں راستے بالکل واضح ہیں۔

نیکی کے راستے پر چلنے والے عباد الرحمٰن ہیں۔

گناہوں کے راستے پر چلنے والے عباد الشیطان ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (یس: 60)

[اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہیں کرو گے؟ بے شک وہ تمہارا ظاہر باہر دشمن ہے]

﴿ وَ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴾ (یس:60)

[اورایک میری عبادت کرو، یہ ہے سیدھا راستہ]

تو انسان نیکی کے راستے پر چلتا ہے تو عباد الرحمٰن میں شامل ہو جاتا ہے اور جب گناہوں کے راستے پر چلتا ہے تو عباد الشیطان میں شامل ہو جاتا ہے۔

انسان کی زندگی کے تین انداز

انسان کی زندگی کے تین مختلف انداز ہو سکتے ہیں:

(۱) حیوانی زندگی

(۲) انسانی زندگی

(۳) ایمانی زندگی

(۱) حیوانی زندگی

اگر آپ بچے کی زندگی کو دیکھیں تو اس کی زندگی میں دو تین کام ہوتے ہیں: کھانا پینا، سونا جاگنا اور کھیلنا کودنا۔ اس کے علاوہ اس کو کسی چیز کی پرواہی نہیں ہوتی۔ نہ اسے کمانے کی فکر اور نہ اسے یہ فکر کہ میرا لباس کہاں سے آئے گا، کھانا کہاں سے آئے گا اور گھر کیسے ہوگا؟ وہ ہر فکر سے بے فکر ہوتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں کے سینے سے دودھ اتر آتا ہے۔ اسے نیند آتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں اس کے لیے بستر کا انتظام کر دیتی ہے۔ سردی لگتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں اس کے لیے کپڑوں کا انتظام کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک رونے کے صدقے بچے کا ہر کام سنور جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھیں کہ وہ بچہ بتا نہیں سکتا، فقط روتا ہے اور اس

کے رونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی ماں کے دل میں الہام فرما دیتے ہیں کہ تیرے بچے کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے؟ وہ اندازہ لگاتی ہے اور واقعی ماں کا اندازہ بالکل ٹھیک ثابت ہوتا ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں...... ''گونگے دی رمزاں گونگے دی ماں جانے'' ماں سمجھ جاتی ہے کہ میرے بچے کو اس وقت کیا تکلیف ہے؟ چنانچہ بن بتائے اس رونے کے صدقے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیاں دور کر دیتے ہیں۔ اس کی ہر ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دل میں ایسی محبت رکھ دی ہے کہ اس کا رونا ان سے برداشت نہیں ہوتا۔ ماں تھکی ہوتی ہے، دوسرے کمرے میں بیٹھی کھانا کھا رہی ہے۔ ابھی وہ دوسرا لقمہ منہ میں ڈالتی ہے اور ادھر بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، وہ سب کچھ چھوڑ کر بچے کی طرف بھاگتی ہوئی آتی ہے، نہ اسے کھانا یاد رہتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی بے آرامی کا خیال آتا ہے، وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ اور بچے کی فقط ایک آواز اسے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیتی ہے...... بچے کا کام کیا ہوتا ہے؟...... بھوک لگی تو کھا لیا، پیاس لگی تو پی لیا، نیند آئی تو سو گیا اور درمیان کا وقت وہ کھیلنے کودنے اور بھاگنے میں گزار دیتا ہے۔ اسے کہتے ہیں حیوانی زندگی۔

اگر آپ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہو بہو یہی کام حیوان بھی کرتے ہیں۔ جب انہیں بھوک لگتی ہے تو کھا لیتے ہیں۔ بکری، گائے، بھینس کو جب بھوک لگے گی تو وہ چر لیں گے، شیر کو بھوک لگے گی تو وہ کسی کو کاٹ کے کھا لے گا مگر اسے اپنی بھوک مٹانی ہوتی ہے۔ پیاس لگی تو پانی پی لیا، نیند آئی تو سو گیا اور اگر ان کے پاس وقت ہو تو کئی مرتبہ جانور آپس میں بھاگتے دوڑتے بھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے ہوتے ہیں تو یہ تمام کام جانور بھی کرتے ہیں۔

شہوات کو پورا کرنے میں حیوانوں کی برتری:

جب بچہ تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے تو اس کی ضروریات میں ایک ضرورت کا اضافہ ہو

جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ مرد ہے تو اسے مادہ کے ساتھ ملاپ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر شہوت رکھی ہوئی ہے اور اس نے اس شہوت کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح انسان اپنی شہوت کو پورا کرتا ہے اسی طرح جانور بھی اپنی شہوت کو پورا کرتے ہیں۔ اگر کھانے پینے، سونے جاگنے، کھیلنے کودنے اور شہوت کو پورا کرنے کو معیار بنائیں تو انسان فضیلت نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر شعبے میں حیوان اس سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

⊙ ...... کھانا پینا۔ انسان تو دو روٹیاں کھا لے گا مگر ذرا ہاتھی کو دیکھو وہ کتنا کھاتا ہے! اونٹ اور بھینسا کتنا کھا لیتے ہیں! انسان تو ان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر انسان کہے کہ میں کم کھاتا ہوں تو شیر کہے گا کہ میں ہفتے میں ایک بار کھاتا ہوں۔ اگر ہم ہفتے میں ایک بار کھائیں تو ہم اٹھتے ہوئے دہرے ہو جائیں کہ ہم چھ دن سے بھوکے ہیں، کھڑے ہونے لگیں تو ہم گر جائیں گے۔ ہمیں دن میں تین مرتبہ کھانا چاہیے، وہ ہفتے میں ایک دفعہ کھاتا ہے۔...... مگرمچھ پورے دن کے اندر 750 گرام کھانا کھاتا ہے، تو انسان نہ تو زیادہ کھانے میں بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی کم کھانے میں بڑھ سکتا ہے......

چیونٹی کو ہی دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی سے پوچھا: اے چیونٹی! تیرا کھانا کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: حضرت! پورے سال میں دو دانے گندم کے۔ فرمایا: میں تیرا امتحان لوں گا۔ چنانچہ اسے ایک جگہ پر بند کر دیا گیا اور وہاں گندم کے دو چار دانے ڈال دیے گئے۔ جب سال کے بعد اسے نکال کر دیکھا گیا تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھی اور اس نے فقط دو دانے ہی کھائے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ۔ اے چیونٹی! میں تیری سچی بات سے بڑا خوش ہوا ہوں، بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟ وہ حاضر جواب تھی، وہ

کہنے لگی...... زِدْنِیْ رِزْقًا وَّعُمْرًا (اگر آپ کے اختیار میں ہے تو میرا رزق اور میری عمر بڑھا دیجیے)...... حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا پڑے کہ چیونٹی نے مجھے لاجواب کر دیا...... تو ہم زیادہ کھانے میں بھی نہیں بڑھ سکتے اور کم کھانے میں بھی جانوروں سے نہیں بڑھ سکتے۔

⊙ ...... دوڑنا بھاگنا۔ اگر دوڑنے بھاگنے کی بات ہو تو ہم پھر بھی جانوروں سے نہیں بڑھ سکتے۔ گھوڑا ہم سے زیادہ تیز بھاگتا ہے، ہرن ہم سے زیادہ تیز بھاگتا ہے، اور چیتا تو بھاگتی کار کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ وہ اتنا تیز بھاگتا ہے ...... اللہ اکبر!!!...... وہ نوے کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ پتہ چلا کہ تیز رفتاری میں بھی انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔

⊙ ...... اگر شادی بیاہ کی بات ہے تو مرد عورت تو ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ میل ملاپ کر لیتے ہوں گے اور جانوروں کا حال ایسا ہے کہ وہ ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ ملاپ کرتے ہیں۔ خرگوش کو دیکھو، چڑیا کو دیکھو۔ انسان اس میں بھی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

⊙ ...... اگر گھر بار کو دیکھیں تو بھی انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر انسان کہے کہ میں نے اتنے اچھے گھر بنا لئے ہیں تو شہد کی مکھی کہے گی: جناب! میرا گھر بھی دیکھ لیجیے، تمہارے گھر بنانے کے لیے انجینئر ہوتے ہیں، پتہ نہیں کتنے مستری اور مزدور کام کرتے ہیں، اور میرے پاس نہ کوئی پیمانہ، نہ کوئی پرکار، نہ کوئی ربڑ، نہ کوئی پنسل، دیکھو! میں نے کیسا گھر بنایا کہ ہر ہر گھر کا سائز دوسرے کے بالکل مطابق ہے، ایک سوراخ دوسرے سے ملتا ہے۔ سچ بات بھی یہی ہے کہ شہد کا چھتا اپنی پیمائش میں اتنا صحیح ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ وہ کیسے اتنا صحیح صحیح گھر بنا لیتی ہے!...... بیا چھوٹی سی چڑیا ہے۔ وہ درخت کی شاخ کے اوپر اپنا گھونسلا بناتی ہے، جتنا مرضی طوفان

آئے، آندھی آئے، درخت ہلتا رہ جائے، درخت تو گر سکتا ہے مگر گھونسلا شاخ سے نیچے نہیں گرتا......تو انسان کو گھر بنانے کی وجہ سے بھی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

نفس کا راج:

انسان کو اللہ رب العزت نے تین نعمتیں عطا کی ہیں: ایک نعمت کو نفس کہتے ہیں......دوسری کو عقل کہتے ہیں......اور تیسری کو دل کہتے ہیں......انسان کا نفس خواہشات کا مرکز ہے، انسان کی عقل خیالات کا مرکز ہے اور انسانی دل جذبات کا مرکز ہے۔

جو حیوانی زندگی بچے کو بچپن میں ملتی ہے وہ اصل میں نفس کی زندگی ہوتی ہے۔ جو اس کا جی چاہے گا وہ پورا کروائے گا۔ اگر ماں نہیں بھی دینا چاہتی تو وہ رو رو کر اپنی بات منوائے گا، گویا بچے کے اندر کامل حیوانیت ہوتی ہے۔ اس لیے بچے کو یہ تو فکر ہوتی ہے کہ میں کھاؤں لیکن اسے یہ فکر نہیں ہوتی کہ اوروں کو ملتا ہے کہ نہیں ملتا۔ وہ دوسرے کے ہاتھ میں چیز دیکھ کر چھین لیتا ہے۔ دوسرا روتا ہے تو روتا رہے، اسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ تو اس کے اندر ایک جذبہ ہوتا ہے کہ میری خواہش پوری ہونی چاہیے۔ یہ انسان کے نفس کا راج ہے اور وہ چھوٹا بچہ اپنے نفس کی خواہشات کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اگر انسان کی زندگی کا معیار اتنا ہی ہے تو اسے کہیں گے ”حیوانی زندگی“۔

دوئی خوبیاں:

جب انسان بڑا ہو کر تعلیم پاتا ہے اور لوگوں سے میل ملاپ کرتا ہے تو اس کے اندر پختگی آ جاتی ہے۔ اس پختگی کی وجہ سے ہر انسان کے اندر دوئی خوبیاں بیدار ہوتی ہیں:

(۱)......جمال پسندی

(۲)......اجتماعیت کا فطری جذبہ

(۱) جمال پسندی:

انسان اس عمر میں خوبصورتی کو پسند کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ خوبصورتی کا مطلب فقط یہ نہیں ہوتا کہ کسی مرد یا کسی عورت کے چہرے کی خوبصورتی۔ ہر چیز کے اندر اللہ نے ایک جمال رکھا ہے۔ مکان بھی خوبصورت ہوتے ہیں، کپڑے بھی خوبصورت ہوتے ہیں، فطری مناظر بھی خوبصورت ہوتے ہیں۔ آپ زندگی سے متعلقہ کوئی چیز لے لیں اس میں خوبصورتی کا پہلو ضرور ہوتا ہے۔ گویا فطری طور پر اللہ نے انسان کے اندر ''خوبصورت پسندی'' رکھ دی ہے۔ لہٰذا جب وہ علم اور تجربہ پا لیتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس فقط چیزیں ہی نہ ہوں بلکہ چیزیں خوبصورت بھی ہوں۔

دیکھیں! اگر اپنے آپ کو فقط سردی یا گرمی سے بچانا ہی مقصود تھا تو پتوں سے بھی بدن ڈھانپا جا سکتا تھا، مگر انسان کی چاہت پوری نہیں ہوتی۔ اس بدن کو ڈھانپنے کے لئے اس نے کپڑے بنائے اور کپڑوں میں بھی فقط لٹھے کے کپڑے نہیں، کیا کیا چیزیں ملا کر اس نے کپڑے بنائے! یہ واش اینڈ ویئر ہے، یہ ٹیٹرون ہے، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے۔ انسان ان کے پرنٹ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے! پھر یہی نہیں کہ کپڑے بنا دیے اور ان کے کارخانے بنا دیے بلکہ ان کو سینے کے طریقوں میں بھی جدت پیدا کر دی۔ چنانچہ کبھی انسان جبہ پہن رہا ہے، کبھی شیروانی پہن رہا ہے، کبھی قمیص پہن رہا ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہے۔ وہی انسان اگر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو اس کا انداز اور ہے۔

مردوں میں تو کپڑوں کی اتنی خواہش نہیں ہوتی جبکہ عورتوں میں کپڑوں کی

خواہش انتہا درجے کی ہوتی ہے۔ان کا تو جی چاہتا ہے کہ جو کپڑے ایک مرتبہ پہن کر اتاریں، دوسری مرتبہ ان کو بالکل نہ پہنیں۔ اسی لیے وہ ہر وقت کلر میچنگ کی تلاش میں رہتی ہیں کہ کونسی چیز کس کس کلر کی پہنیں؟ اس کو جمال پسندی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس شعبے میں جو بندے کام کرتے ہیں ان کو روزانہ نئی نئی باتیں ذہن میں آتی رہتی ہیں۔آج اس کا فیشن ہے تو کل اس کا فیشن ایسا ہونا چاہیے،ابھی ایک کپڑا ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا نیا آجاتا ہے۔پھر تیسرا اور آجاتا ہے۔اور دیکھئے!......شادی بیاہ کے موقع پر کیسے کیسے ملبوسات تیار کیے جاتے ہیں!ایک ایک جوڑا آج ستر ہزار اور پچھتر ہزار کا مل رہا ہے!ایسے ایسے زیورات بنائے جاتے ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔یہ انسان کی جمال پسندی کا معاملہ ہے۔

پکوانوں میں جمال پسندی:

انسان نے اگر فقط کھانا ہی کھانا ہوتو وہ صرف روٹی، دودھ،لسی یا پانی سے ہی کھالے تو اس سے اس کا گزارا ہو جائے گا۔مگر نہیں، انسان کے اندر ایک جمال پسندی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم کھانے بنائیں تو وہ دیکھنے میں بھی خوبصورت ہوں اور ذائقہ میں بھی بہتر سے بہترین ہوں۔ یہ جمال پسندی بندے کو بیٹھنے نہیں دیتی۔جو کھانا بنانے والی عورتیں یا مرد ہیں، وہ بہتر سے بہترین کھانا بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اپنے تجربے اور اپنے علم کو استعمال کر کے عجیب وغریب کھانے بنا دیتے ہیں۔

مہمان کے سامنے بھینسے کا سر:

ایک مرتبہ ایک مغل بادشاہ نے ایک ایرانی شہزادے کی دعوت کی۔ جب ایرانی شہزادہ آنے والا تھا تو انہوں نے بڑے خانساماں کو بلا کر کہا کہ ایک ملک کا شہزادہ آرہا

ہے، تم اس کے لیے ذرا اچھا سا کھانا بنا دینا۔ یہ میزبان کے لیے عزت و وقار کا مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں مہمان کو ایسا کھانا پیش کروں جیسے اس کی عزت یا جیسے میرے دل میں اس کی محبت ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: بہت اچھا۔

جب ایرانی شہزادہ اپنے دوستوں کے ہمراہ آ کر بیٹھا تو تھوڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، پھر کھانے کا وقت آیا تو خانساماں کو اشارہ کیا گیا کہ آپ ان کے کھانے کے لیے کچھ لائیے، چنانچہ وہ ایک بڑا سا برتن ڈھکا ہوا لایا۔ اسے اوپر سے خوب سجایا گیا تھا جیسے گفٹ پیک ہوتا ہے، اس نے لاکر اسے ایرانی شہزادے کے سامنے پیش کیا کہ جی اسے قبول کیجیے۔ ایرانی شہزادے نے جب اس کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر ایک بھینسے کا کٹا ہوا سر پڑا تھا اور اس کی گردن میں سے خون بھی نکل رہا تھا۔ انسان جب اس قسم کا منظر دیکھتا ہے تو اس کو کراہت محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو شہزادہ تھا اور اس نے اس چیز کو بہت ہی معیوب سمجھا کہ مہمان کے سامنے بھینسے کا کٹا ہوا سر لایا گیا ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے بھلا؟ جب اس نے ناگواری کا اظہار کیا تو اس مغل بادشاہ نے خانساماں کو بلا کر کہا: آپ نے تو ہماری عزت بنانے کی بجائے الٹا بے عزتی کروا دی، آپ نے تو مہمان کو ناراض کر دیا، ہم نے تو آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ بھینسے کا کٹا ہوا سر سامنے لا کر رکھو، اور سر بھی ایسا کہ اس میں سے خون بھی بہہ رہا ہو۔ ہم نے تو آپ سے کہا تھا کہ مہمان کے لیے کوئی اچھا سا کھانا تیار کر کے لاؤ۔

خانساماں نے جواب میں کہا: جناب! میں نے یہ کھانا ہی تو تیار کیا ہے، کاش اس شہزادے کے اندر اتنی اہلیت ہوتی کہ وہ اس کی پہچان کر سکتا! یہ کھانا ہی ہے۔ آپ ذرا اس کو کہیں کہ وہ اسے ذرا کھا کر دیکھے۔ جب شہزادے نے اس کو ذرا قریب کر کے دیکھا تو وہ دراصل مختلف کھانے بنے ہوئے تھے۔ آنکھیں اور ذائقے کی تھیں، سر اور ذائقے کا تھا، دانتوں میں اور قسم کا ذائقہ تھا اور جس کو وہ خون سمجھ رہا تھا وہ مشروب

اور ذائقے کا تھا۔اب جب ایرانی شہزادے نے اس کو کھانا شروع کر دیا تو وہ واقعی اس خانساماں کی فنی مہارت کا قائل ہو گیا کہ انسان ایسی حیرت انگیز چیز بھی بنا سکتا ہے!

تاریخی عمارتیں دستر خوان پر:

بمبئی کا ایک تاجر تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ایک وائسرائے کی چائے کی دعوت کی۔اس نے اس دعوت کے لیے ایک کمپنی کو ٹھیکہ دیا کہ اس کے لیے انتظامات کرو۔انہوں نے بڑے عالیشان سائبان لگائے،ٹینٹ لگائے اور جگہ بنائی۔جب مہمان وہاں آئے تو انہوں نے ان کے سامنے ایک میز پر سے کپڑا اٹھایا تو اس کے اندر مختلف عمارتیں بنی ہوئی تھیں: تاج محل بنا ہوا تھا، دہلی کی مسجد بنی ہوئی تھی، لال قلعہ بنا ہوا تھا، گلشن آرا بیگم کا باغ بنا ہوا تھا۔انہوں نے دیکھ کر کہا: جی ٹھیک ہے، ہم نے اسے دیکھ لیا ہے،تم لوگوں نے یہ چیزیں بہت اچھی بنائی ہیں مگر ہمارے پاس وقت کی کمی ہے،ہمیں واپس بھی جانا ہے،آپ لوگوں نے کہا تھا کہ چائے پلائیں گے، چنانچہ اب آپ چائے کا انتظام کریں۔یہ سن کر کمپنی کے مینجر نے کہا کہ جناب! ہم نے یہ آپ کے لیے چائے کا ہی انتظام کیا ہے، اس کو ذرا غور سے دیکھیں، یہ دیکھنے میں تاج محل ہے مگر کھانے میں بہترین قسم کا بسکٹ ہے۔اب جب انہوں نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا تو میناروں میں ذائقہ الگ ہے، دروازوں میں ذائقہ الگ ہے۔ وہ دراصل مٹھائی تھی جو انہوں نے اس انداز میں پیش کی۔چنانچہ وہ سب لوگ اس پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے تھوڑی دیر میں تاج محل بھی کھا لیا، لال قلعہ بھی کھا لیا، مسجد بھی کھالی اور باغ بھی کھا لیا۔

جب انہوں نے سب کچھ کھا لیا تو انہوں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ تم نے اتنا میٹھا سامنے رکھ دیا، کچھ تو نمکین بھی رکھا ہوتا۔اس نے کہا کہ جناب! جو نیچے ٹرے ہے

وہ نمکین کھانے کی بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ ٹرے بھی کھالی۔

حیران کن سلاد:

ایک مرتبہ ہمارے ایک قریبی دوست نے دعوت کی۔ ایک خانساماں نے عورتوں کی طرف بھی کھانا بھجوایا۔ وہ افسروں کی بیویاں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے پیغام آیا کہ کھانا تو سارا آ گیا ہے لیکن سلاد ہی نہیں آیا۔ تو اس خانساماں نے پیغام بھجوایا کہ بیگمات سے کہو کہ تمہاری تو عمر گزر گئی ہے کھانا پکاتے ہوئے، یہ درمیان میں تمہیں جو سویٹ ڈش کی طرح پھل نظر آ رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں ہم نے سلاد بنایا ہوا ہے۔ اس نے سلاد کو اس طرح کاٹا تھا کہ وہ انسان کو دیکھنے میں کوئی شو پیس نظر آتا تھا اور عورتیں باوجود اپنی نفاست پسندی کے اس کو ہاتھ ہی نہیں لگا رہی تھیں کہ یہ تو دیکھنے کے لیے کوئی ماڈل سامنے رکھا ہوا ہے۔ وہ کوئی ماڈل نہیں تھا بلکہ اس نے سلاد کاٹ کر رکھا ہوا تھا۔ پھر جب عورتوں نے کھانا شروع کیا تو انہوں نے مان لیا کہ اس شخص کو اپنے فن میں بڑا تجربہ حاصل ہے۔

غور کیجیے کہ شیر اور چیتے ساری زندگی کچا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کے اندر عقل نہیں ہے کہ وہ گوشت کے ساتھ سبزی ملا کر کھالیں۔ اس کو بھون کر کھالیں یا گوشت کو سوپ بنا کر پی لیں۔ اس کے برعکس انسان کو دیکھیں، گوشت کی کتنی ڈشز بنا لیتا ہے! عورتیں کھانے کے ساتھ تو سویٹ ڈشز بھی بنا لیتی ہیں۔

آئس کریم کے بتیس ذائقے:

ہمارے ایک دوست ہیں۔ وہ آئس کریم کا کام کرتے ہیں۔ ان کی دکان پر آئس کریم کے بتیس فلیور ملتے ہیں...... اللہ اکبر!!!...... آئس کریم کے بتیس ذائقے اور فلیور...... یہ کیا چیز ہے؟...... یہ انسان کے اندر جمال پسندی کا فطری جذبہ ہے کہ وہ ہر

کام میں بہتر سے بہترین حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے۔

فرنیچر میں جمال پسندی:

یہ جمال پسندی ہر شعبے میں ہے۔ دیکھیے کہ انسان نے فرنیچر بنانا شروع کر دیا۔ فرنیچر میں لیٹنے کے لیے ایک چارپائی ہی کافی تھی۔ مگر نہیں، چارپائی سے بات بیڈ پر آ گئی، پھر ڈبل بیڈ پر آ گئی۔ اب تو انسان نے واٹر بیڈ بنانا شروع کر دیئے ہیں۔......وہ واٹر بیڈ کیا ہوتے ہیں؟......وہ کھال کے بنے ہوئے بیڈ ہوتے ہیں اور ان کے اندر پانی بھرا ہوتا ہے۔ اس کی خوبصورتی یہ ہے کہ انسان کا جسم جیسا ہوتا ہے، وہ بیڈ ویسی ہی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس پر بہت ہی پرسکون نیند آتی ہے۔ اب اس میں پانی کو گرم کرنے کے لیے ہیٹر بھی لگا دیے۔ چنانچہ جتنی مرضی سردی پڑ رہی ہو اور آپ اس بیڈ کے اوپر لیٹیں تو وہ بیڈ گرم ہی رہے گا اور آپ کو سردی کا قطعاً احساس نہیں ہوگا......تو سونے کے لیے ایک چارپائی ہی کافی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو جمال پسندی کی فطرت رکھ دی ہے وہ انسان کو بہتر سے بہترین چیز بنانے کی طرف کھینچتی ہے۔

تعمیرات میں جمال پسندی:

گھروں کی طرف دیکھیں تو انسان حیران ہو جاتا ہے۔ رہنے کے لیے تو مٹی کی دیواریں اور سرکنڈے کی چھت ہی کافی ہوتی ہے، اس سے گزارہ ہو جاتا ہے۔ مگر نہیں، انسان کی جمال پسندی اسے بیٹھنے نہیں دیتی۔ وہ اپنے گھر کو بہتر سے بہترین بناتا ہے۔ پہلے اینٹوں کے ساتھ بنانا شروع کر دیا۔ پھر اینٹوں کے ساتھ اس کے اندر لکڑی کا استعمال شروع ہو گیا، پھر اسٹیل کا استعمال ہونے لگا، پھر سلیب بننے لگ گئے، شیشے کا استعمال شروع ہو گیا۔ آج آپ بنے ہوئے بعض گھر دیکھیں تو انسان

حیران ہوتا ہے۔ کروڑوں میں ایک گھر بنتا ہے۔

ایک پاکستانی تاجر کا گھر:

ایک بڑے ملک کا صدر ایک پاکستانی تاجر کے گھر میں گیا تو داخل ہو کر کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھر سے باہر کبھی نہ نکلوں...... کیا ہی اس نے گھر بنایا ہو گا!!!...... تو بہتر سے بہترین گھر بنانے کی فطرت اللہ نے انسان کے اندر رکھ دی ہے۔

تاج محل اور اس کا حیران کن غسل خانہ:

آپ دیکھیے کہ ایک شخص نے اپنی محبوبہ کے لیے تاج محل بنوایا۔ اسے ''ونڈر آف دی ورلڈ'' کہا جاتا ہے۔ مصر کے فراعنہ نے اپنی قبریں اہرام کی شکل میں بنائیں۔ یہ اہرام مصر بھی آج دنیا میں ونڈر آف دی ورلڈ کہے جاتے ہیں۔ انسان نے کیا کیا چیزیں بنا دیں۔ یہ عمارت بنانے میں انسان کو فنی صلاحیت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ ہم تاج محل دیکھنے کے لیے گئے۔ ہمیں وہاں دو باتوں نے بڑا حیران کیا: ایک تو انہوں نے اس کے اندر ایسا پتھر استعمال کیا تھا کہ چار فٹ بائی آٹھ فٹ کی پتھر کی ایک سلیب کا سائز تھا، اور دکھانے والے نے جب اپنی ٹارچ اس کے کونے پر رکھی تو پوری کی پوری سلیب بلب کی طرح گلو (Glow) کرنے لگ گئی۔ حیران ہوئے کہ یا اللہ! یہ پتھر کہاں سے ان کو ملا!؟ اور اس چار فٹ بائی آٹھ فٹ کی پوری سلیٹ کے اندر کھود کر ڈیزائن بھی بنائے گئے تھے۔ ان میں کہیں جوڑ نظر نہیں آتا تھا۔

پھر اس سے آگے ممتاز محل کے لیے اس نے غسل خانہ بنوایا۔ اس غسل خانے کا ڈیزائن دیکھ کر بھی حیرانی ہوئی۔ اس نے اس کے اندر چھوٹے چھوٹے شیشے ایسے زاویوں پر لگوائے کہ آپ اگر ایک موم بتی جلا کر اس کے اندر رکھ دیں تو وہ ہزاروں

لائٹیں ریفلیکٹ ہو کر اتنا گلو کرتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ بلب جل رہا ہے۔

(۲)......اجتماعیت کا فطری جذبہ:

علم اور پختگی آنے کی وجہ سے انسان کے اندر ایک تو جمال پسندی کا جذبہ آ جاتا ہے اور دوسرا اس کے اندر اجتماعیت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً: لکھا پڑھا نوجوان کبھی اکیلا نہیں کھائے گا۔ اس کا جی چاہے گا کہ میری والدہ بھی کھائے، والد بھی کھائے، بھائی بھی، بہن بھی کھائے، وہ مل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ یہ فطری جذبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھا ہے اسی لیے جب وہ کھاتا ہے تو اس کی چاہت ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی کھائے اور بچے بھی کھائیں۔ کئی مرتبہ بچوں کے بغیر اسے کھانا اچھا ہی نہیں لگتا۔ حالانکہ محنت تو اس نے کی تھی، پسینہ تو اس نے بہایا تھا، یہ اپنی مزدوری سے ملنے والے پیسوں سے خود اپنا پیٹ بھر لیتا، مگر نہیں، کئی دفعہ یہ خود بھی بھوکا رہے گا لیکن اپنے بچوں کی خواہش کو پورا کرنا پسند کرے گا۔ اس کو کہتے ہیں ''اجتماعیت کا فطری جذبہ''۔

انسان اسی فطری جذبے کی وجہ سے دوسروں کی خوشی غمی اور دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ آپ غور کریں کہ اگر کسی بندے کو کانٹا چبھ جائے اور وہ ذرا چیخ کر اپنا پاؤں دیکھنے بیٹھ جائے تو اس کے قریب سے گزرتا ہوا بندہ فوراً پوچھے گا اور کانٹا نکالنے میں اس کی مدد کرے گا......وہ کیوں ایسا کر رہا ہے؟......اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اجتماعیت اور ہمدردی کا جذبہ رکھا ہوا ہے۔

(۲)......انسانی زندگی

تو یہ دو جذبات (جمال پسندی کا جذبہ اور اجتماعیت کا جذبہ) ایسے ہیں کہ دنیا کی

ساری رونق اور بہار انہی کی وجہ سے ہے۔ان دو جذبات کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ کو یہ دنیا سجی سجائی نظر آ رہی ہے۔اس زندگی کو کہتے ہیں ''انسانی زندگی''۔

پہلی زندگی کا جو انداز تھا، وہ تھا ''حیوانی زندگی''۔کھایا پیا، سویا، دوڑے بھاگے ، اپنی شہوت کو پورا کیا اور بات ختم۔یہ ہے حیوانی زندگی۔اس حیوانی زندگی سے تھوڑا اور آگے بڑھا تو انسان کے اندر عقل پختہ ہوئی۔اس عقل کو استعمال کر کے انسان نے جمال پسندی اور اجتماعیت کے جذبات کی وجہ سے دنیا کو آباد کیا۔چنانچہ انسان گھر بناتا ہے تو ساتھ پھولوں کی کیاری بھی بنا دیتا ہے۔کچھ لکھی ہوئی چیزیں بھی اوپر لگا دیتا ہے۔مختلف کلرز کے پینٹ کروا دیتا ہے۔ہوتا تو وہ گھر ہے لیکن اس کے اندر ماربل سجاتا ہے۔انسان کئی مرتبہ گھر کی نفاست کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔گویا جمال پسندی اور اجتماعیت کے جذبات نے پوری دنیا کو آباد کر دیا ہے۔اس اجتماعیت کی وجہ سے انسان چاہتا ہے کہ میں بھی خوش رہوں اور میرے ساتھ والے بھی خوش رہیں۔چنانچہ وہ پڑوسیوں کا خیال رکھتا ہے، محلے دار کا خیال کرتا ہے، رشتے دار کا خیال کرتا ہے، دوستوں کا خیال کرتا ہے۔گویا سب انسان ایک دوسرے کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اس کو انسانی زندگی کہتے ہیں۔

انسانی زندگی بہتر تو ہے مگر......:

یہ زندگی حیوانی زندگی سے ہزاروں گنا بہتر زندگی ہے۔لیکن اس زندگی میں بھی انسان کے اندر پورا کمال پیدا نہیں ہوتا......کیوں؟......اس لیے کہ اگر وہ کسی کی مدد کرے گا تو وہ چاہے گا کہ یہ اب جواب میں میری تعریف کرے۔کسی پر احسان کرے گا تو لوگوں میں تذکرے بھی کرے گا کہ......اَعْرِفُوْنِی (مجھے پہچانو کہ میں نے کیسے کام کیے)......وہ دوسروں کی خدمت کرے گا مگر خدمت کے ساتھ ساتھ ان کے اوپر حاکم بن کر رہنا بھی پسند کرے گا۔اب یہ خدمت تو کرنا چاہتا ہے مگر کب؟

...... جب سب مل کر اس کو اپنا بڑا امان لیں۔ ایسی زندگی میں کچھ ایسی ہی چیزیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اپنی تعریف کو پسند کرنا، اپنی خواہش کو مقدم رکھنا، اپنے اندر اقتدار پانے کی ہوس کا ہونا۔ اگرچہ اس کو انسانی زندگی کہتے ہیں مگر اس زندگی میں بھی کمال پورا نہیں ہوتا۔

عقل کا راج:

پہلی حیوانی زندگی میں انسان کے اندر نفس پرستی آئی اور اس انسانی زندگی میں جب عقل بھی کارفرما ہے، اس کے اندر زر پرستی اور زن پرستی آجاتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج پوری دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ یا تو زر کے پیچھے ہو رہا ہے یا زن کے پیچھے۔ تمام محنتوں کا نچوڑ آپ کو یہ دو چیزیں نظر آئیں گی۔ اس بندے کی محنت کے پیچھے کہیں نہ کہیں یا تو ہوس نظر آئے گی کہ میرے پاس مال جمع ہو جائے تاکہ میرا اسٹیٹس اچھا ہو تاکہ میں دنیا میں سہولت والی زندگی گزار سکوں۔ یا اس کے پیچھے کہیں زن کا مسئلہ ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حیوانی زندگی میں انسان کے اندر خواہش پرستی آتی ہے اور انسانی زندگی میں انسان کے اندر زر پرستی اور زن پرستی آئی۔ چنانچہ آپ کو غیر مسلموں کی زندگیوں میں زر پرستی اور زن پرستی کا بدترین نمونہ نظر آئے گا۔ ان کی ساری زندگی انہی کے گرد گھوم رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی طرح پیسہ ہمارے پاس آجائے اور کسی طرح ہماری نفسانی خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ ہمارے اوپر کسی قسم کی پابندی نہ ہو۔ حیوانی زندگی میں نفس کا راج تھا اس لیے اسے نفس پرستی کہا گیا، پھر انسان کی زندگی میں عقل کا راج آگیا۔ اس عقل کی بنیاد پر انسان نے اس دنیا کو خوب سجایا اور اس میں کیا کیا دلچسپیاں پیدا کر ڈالیں!! مگر ان تمام کا لب لباب زر پرستی اور زن پرستی نکلا۔

انسانی زندگی کا نکتہء عروج:

آج کفار جس طرز زندگی کو بہترین سمجھ رہے ہیں وہ عقلی زندگی ہے۔ اس زندگی کا کمال جمہوریت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے کہ آپ سب مل کر جو قانون بنائیں، سب اسی کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ اب اگر سب کا بنایا ہوا قانون فطرت کے خلاف ہو تو اس کا کیا فائدہ؟ مثال کے طور پر: ایک جگہ پارلیمنٹ کے سب ممبروں نے تالیاں بجا کر بل پیش کیا کہ مرد کی شادی مرد کے ساتھ ہونا ٹھیک ہے، اور انہوں نے اس بل کو پاس کر کے قانون بنا دیا۔ یہ تو حیوانوں والی بات ہے نا!! قرآن مجید نے کہہ دیا:

﴿ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

''اگر تم زمین میں اکثریت کی پیروی کرنے لگ جاؤ گے تو یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی''

تو جمہوریت کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان پھر وہ قوانین بناتا ہے جو حکم خدا کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس لیے انسانی زندگی کا سب سے بلند نکتہ جمہوریت پہ جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ نکتہ اس پر ختم ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کی ہمدردی تو کرتا ہے مگر ان سے اس کا بدلہ بھی چاہتا ہے۔ اس لیے آج دنیا کے بڑے ملک، غریب ملکوں کی امداد کرتے ہیں مگر اس پر سود بھی لیتے ہیں...... کیا مزہ آیا امداد کا!؟...... کہنے کو امداد ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ سودی قرضہ ہوتا ہے۔ دیکھو عقل نے کیسا دھوکہ دیا ہوتا ہے! یہ ہے انسانی زندگی۔

(۳)...... ایمانی زندگی

زندگی کا ایک تیسرا انداز بھی ہے جو انسانی زندگی سے بہت بلند مقام رکھتا ہے۔ اس انداز زندگی میں انسان کا دل اس پر حکومت کرنے لگ جاتا ہے۔...... پہلے

انداز زندگی میں نفس نے حکومت کی، دوسرے انداز زندگی میں اس کی عقل نے حکومت کی اور اس تیسرے انداز میں انسان کا دل اس پر حکومت کررہا ہوتا ہے......اس دل کو اللہ رب العزت نے جذبات کا مرکز بنایا ہے۔ چنانچہ اسی دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے، اسی میں اللہ رب العزت کی عظمت ہوتی ہے۔ اس انداز زندگی کو کہتے ہیں ''ایمانی زندگی، قرآنی زندگی، اسلامی زندگی''۔ جب انسان یہ انداز زندگی اپناتا ہے تو پھر وہ بہت ہی اعلیٰ زندگی بسر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ انسان فرشتوں سے بھی اعلیٰ نظر آتا ہے۔...... کیوں؟......اس لیے کہ اب وہ دوسروں کی خدمت تو کرتا ہے مگر دوسروں سے وہ تعریف کا طلب گار نہیں ہوتا، وہ دوسروں سے بدلہ نہیں چاہتا۔ یہی تو انبیائے کرام نے آ کر کہا تھا۔

﴿ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾

[اے میری قوم! میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا]

﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ﴾

[میرا اجر اللہ کے ذمے ہے]

اس طرزِ زندگی میں جب انسان کا قلب صحیح معنوں میں اس کے اوپر حاکمِ اعلیٰ بن جاتا ہے اور اس قلب کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں تو اب انسان صحیح معنوں میں زندگی گزارتا ہے۔ اس کے سامنے اللہ کی رضا ہوتی ہے، یہ اس کا مقصدِ زندگی بن جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے محنت کرتا ہے اور قربانیاں کرتا ہے مگر وہ ان سے اس کے بدلے کا طلب گار نہیں ہوتا، وہ اللہ سے ہی اس کا اجر طلب کرتا ہے۔ وہ نیکی کرتا ہے اور دریا میں ڈال دیتا ہے کہ مجھے مخلوق سے کچھ نہیں چاہیے، مجھے جو چاہیے وہ اپنے مولا سے چاہیے۔

ایمانی زندگی کی چار انمول صفات:

اس ایمانی زندگی میں انسان کے اندر چار صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ حدیث پاک میں فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ))

[جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے دشمنی کی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے (اپنے آپ کو کسی چیز سے) روکا، پس اس کا ایمان کامل ہو گیا]

(۱)......اللہ کے لیے محبت ہونا:

''الحب فی اللہ'' کا کیا مطلب؟...... کہ اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبت ہو۔ چنانچہ انسان اللہ رب العزت کی بنا پر اللہ کے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ نفس کی خواہشات کی بنا پر نہیں کرتا بلکہ اس میں اخلاص ہوتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں آپ نے سنی ہونگی۔

جب نبی علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اس وقت مسلمانوں کے درمیاں مواخات قائم کی گئیں۔ ایسا بھائی چارہ قائم ہوا کہ اگر ایک کا کاروبار تھا تو اس نے آدھا اپنے بھائی کو دے دیا۔ دو گھر تھے تو ایک بھائی کو دے دیا۔ انسانی بھائی چارے کی اتنی بہترین مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی کہ انسان دوسرے کے ساتھ اتنا بھی مخلص اور ہمدرد ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے:

......رحماء بینھم (آپس میں رحیم وکریم بن کر)......

ایسی زندگی گزاری کہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ان کی تعریفیں

فرمائیں۔ان کے درمیان اتنا جوڑ تھا، اتنا پیار تھا، اتنی محبت تھی...... کس لیے؟...... یہ اللہ رب العزت کے لیے تھی۔انسان ان واقعات کو پڑھ کر، سن کر حیران ہو جاتا ہے۔

خدمت خلق کا انوکھا انداز:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی بات ہے۔ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے ملنے کے لیے آئے۔انہوں نے دیکھا کہ ایک چیز پر کچھ ایسے معذورین اور بوڑھوں کے نام لکھے ہوئے ہیں جن کو خدمت کی ضرورت تھی۔اس فہرست میں ایک بوڑھی عورت کا نام بھی تھا کہ اس کو بھی خدمت کی ضرورت ہے مگر خدمت کرنے والے کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں سوچا کہ میں اس بوڑھی عورت کی خدمت کیا کروں گا۔اگلے دن جب وہاں پہنچے تو بڑھیا نے جواب دیا کہ کوئی آدمی آیا تھا اور رات کے اندھیرے میں کام کر کے چلا گیا ہے۔خدمت یہ ہوتی تھی کہ باہر سے پانی بھر کے لانا اور گھر کے صحن کی صفائی کرنا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑھیا سے پوچھا: اماں! اس بندے کا نام کیا تھا؟ اس نے کہا: مجھے تو اس کے نام کا پتہ نہیں اور نہ ہی میں نے کبھی اس کا نام پوچھا ہے۔پھر پوچھا: وہ کون ہے؟ کہنے لگی: میں نے کبھی اس کی شکل ہی نہیں دیکھی۔وہ آکر کہتا ہے کہ پردہ کرلو، میں پردہ کر لیتی ہوں، وہ میرے سارے کام کر کے چلا جاتا ہے، وہ جاتے ہوئے کہتا ہے کہ میں جا رہا ہوں اب پردہ ختم ہو گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہو گئے، چنانچہ اگلے دن تہجد پڑھ کر وہاں پہنچے۔پتہ چلا کہ پھر کام ہو چکا ہے۔وہ بھی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے، سوچنے لگے کہ اب دیکھیں گے! اگلے دن عشا کی نماز پڑھ کر گئے اور راستے میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔

جب رات گہری ہوئی اور لوگ سو گئے تو اس وقت ہر طرف سناٹا تھا۔اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی آدمی ننگے پاؤں اس بوڑھی عورت کے گھر کی طرف

جا رہا ہے۔ جب وہ قریب سے گزرا تو انہوں نے پوچھا: ''مَنْ اَنْتَ'' آپ کون ہیں؟'' جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ میں ابوبکر ہوں۔ پوچھا: اے امیر المومنین! آپ اس اندھیری رات میں اس بڑھیا کے گھر میں خدمت کرنے کے لیے آ رہے ہیں اور آپ کے پاؤں میں جوتے بھی نہیں ہیں۔ فرمایا کہ میں جوتے اس لیے اتار کر آیا ہوں کہ یہ لوگوں کے سونے کا وقت ہے، ایسا نہ ہو کہ میرے جوتوں کی آہٹ سے کسی کی نیند میں خلل آ جائے..... یہ ہے ''ایمانی زندگی'' کہ ایک آدمی خدمت بھی کر رہا ہے اور اس طرح چھپا کر کر رہا ہے کہ وہ کسی کو بتانا بھی نہیں چاہتا۔ یہ نعمت ایمانی زندگی سے نصیب ہوتی ہے، ویسے نصیب نہیں ہو سکتی۔

زندگی بھر معذوروں کی خدمت:

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت خوبصورت جسم عطا کیا تھا۔ جب ان کی وفات ہوئی اور غسال ان کو نہلانے لگا تو اس نے دیکھا کہ ان کے کندھے کے اوپر ایک کالا نشان ہے۔ اس کو سمجھ نہ آ سکی کہ یہ کالا نشان کیوں ہے؟ اہل خانہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی کہا کہ ہمیں پتہ نہیں ہے۔ جب کچھ دن گزر گئے تو وہاں کے ضعفا اور معذوروں کے گھروں سے آواز آئی، وہ کہاں گیا جو ہمیں پانی پلایا کرتا تھا؟ پھر پتہ چلا کہ رات کے اندھیرے میں امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ پانی کی بھری ہوئی مشک اپنے کندھے کے اوپر لے کر ان کے گھروں میں پانی مہیا کیا کرتے تھے اور اس راز کو انہوں نے اس طرح چھپائے رکھا کہ زندگی بھر کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا..... یہ ہے ''ایمانی زندگی'' کہ انسان دوسرے کی خدمت بھی کر رہا ہے، ہمدردی بھی کر رہا ہے مگر اس سے صرف تھینک یو (شکریہ) کا بھی طلب گار نہیں ہے۔ وہ انسانیت کی خدمت فقط اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کر رہا ہے۔

مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ شہر کے اندر کے حالات تو میں ہر رات دیکھتا ہوں، چلو آج ذرا باہر کے حالات بھی دیکھوں۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر نکلے۔ باہر نکلتے ہی انہوں نے ایک خیمہ دیکھا۔ قریب آئے تو پتہ چلا کہ یہ ایک بدو (دیہاتی) کا خیمہ ہے۔ وہ خیمے سے باہر پریشان حال بیٹھا تھا۔ انہوں نے اس سے خیر و عافیت دریافت کی تو پتہ چلا کہ اس کی بیوی درد زہ کی حالت میں ہے۔ اس نے کہا کہ یہاں تو میرا کوئی واقف بھی نہیں، کوئی رشتہ دار بھی نہیں، مسافر ہوں، کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں، میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں اپنے گھر واپس آئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ ایک مسافر عورت اس حال میں ہے، آپ چلیں، اس کی مدد کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آٹے کی بوری بھی اٹھا لی اور کچھ اور چیزیں بھی لیں اور اپنی اہلیہ کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ صاحبہ کو خیمے کے اندر بھیج دیا۔

اب وہ بدو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے باتیں کرنے لگا، اس نے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی امیر المومنین کو دیکھا ہے؟ وہ تو بڑی اعلیٰ زندگی گزارتے ہوں گے، انہیں تو کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں ہوتی ہوگی، بدو یہ باتیں کرتا رہا اور حضرت عمرؓ سنتے رہے۔ حتیٰ کہ اندر سے ان کی اہلیہ محترمہ نے آواز دی، امیر المومنین! اپنے دوست کو بیٹے کی خوشخبری دے دیجیے۔ اب بدو کو پتہ چلا کہ میں تو امیر المومنین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ گھبرانے لگا۔ مگر انہوں نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، کل میرے پاس آنا، میں تمہارے اس چھوٹے سے بچے کا روزینہ باندھ دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کے واپس آ جاتے ہیں اور اگلے دن اس بچے کا روزینہ بندھ جاتا ہے...... یہ ہے ایمانی زندگی۔

ایمان کی پہچان:

ایمان انسان کے اندر سے کھوٹ کھرچ کرختم کردیتا ہے۔ جہاں ایمان کامل ہوگا وہاں سے کھوٹ نکل جائے گا۔ ایمان اور منافقت، یہ دو چیزیں ایک انسان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایمان کی یہ پہچان ہے کہ یہ انسان کے اندر سے دورنگی اور منافقت کو کھرچ کرنکال دیتا ہے۔ چنانچہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر ایک آدمی شربت پی رہا ہے اور شربت پیتے ہوئے اس نے نیت کرلی کہ میں شراب پی رہا ہوں، تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس نیت کے ساتھ اگرچہ وہ شربت پی رہا ہے مگر اس کو شراب پینے کا گناہ ملے گا۔ کیونکہ......

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

[اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے]

اسی طرح علما نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزار رہا ہے اور اس وقت گزارنے میں اس نے اگر ذہن میں یہ تصور باندھ لیا کہ فلاں اجنبیہ عورت میرے پاس ہے، اگرچہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرے گا مگر اسے زنا کا گناہ ہوگا...... کیوں؟...... اس لیے کہ اس کی نیت خراب تھی۔ گویا ایمان وہ نعمت ہے جو انسان کی نیت کے میل کو بھی ختم کردیتی ہے۔ تو جس انسان کی نیت بھی صاف ہو، دل بھی صاف ہو، عمل بھی صاف ہو، وہ پھر کتنا اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنے والا انسان ہوگا۔ یہ زندگی ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتی۔

(۲)...... اللہ کے لیے دشمنی ہونا:

''البغض فی الله ''...... یہ بھی انسان کے اندر اللہ کے لیے آتا ہے۔ دشمنی ہوتی ہے تو اللہ کے لیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک دشمن کو گرا کر اس کے اوپر بیٹھے، قریب تھا

کہ اس پر وار کر کے ختم کر دیتے، اس دشمن خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے اتر آئے۔ اس نے کہا: علی! آپ کو تو اس موقع پر مجھے قتل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے تھی، تم پیچھے کیوں ہٹے؟ فرمایا: میں تمہیں اللہ کے لیے قتل کرنا چاہ رہا تھا، جب تم نے تھوکا تو اب میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہوا، میں اپنے نفس کی خاطر کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتا''۔

(۳) اللہ کے لیے عطا کرنا:

''وَاَعْطٰی لِلّٰہِ''......انسان جب دیتا ہے تو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے دیتا ہے۔ مثال کے طور پر......

⊙......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے صدقہ کرنا ہوتا تھا تو رات کے اندھیرے میں مستحق لوگوں کے دروازے کے اندر آٹے کی بوریاں ڈال جاتے تھے، اس لیے کہ اس بندے کو بھی پتہ نہ چلے کہ میری امداد کرنے والا کون تھا؟ وہ فقط اللہ کی رضا کے لیے یہ عمل کرتے تھے۔ کیا ہی خوبصورتی ہے عمل کی!!

⊙......ایک بزرگ تھے وہ ایک مرتبہ کوئی رفاہی کام کر رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آپ اس کام میں ہمارا تعاون کیجیے۔ ایک آدمی نے ان کو بہت موٹی رقم دی۔ وہ لے کر بہت خوش ہوئے اور اس آدمی کو دعائیں دیں۔ کسی اور محفل میں وہ آدمی بھی بیٹھا تھا کہ انہوں نے بات کرتے ہوئے لوگوں کی ترغیب کے لئے فرمایا کہ، دیکھو فلاں آدمی نے اتنا تعاون کیا ہے، آپ بھی تعاون کریں۔ اب جیسے ہی اس نے دیکھا کہ میرا راز فاش ہو گیا ہے تو وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں نے وہ پیسے آپ کو دے تو دیے تھے لیکن اپنی والدہ سے اجازت لینا بھول گیا تھا، اور میں اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر دینا ٹھیک نہیں سمجھتا۔ لہٰذا آپ مجھے وہ پیسے واپس کر دیجیے۔ محفل میں موجود لوگوں کو اس کا یہ عمل بہت عجیب لگا! اچھا، حضرت نے اس کی تھیلی

واپس کر دی اور اس نے وہ تھیلی لے لی۔ ہر بندے نے اس کو برا محسوس کیا۔ جب باقی سب لوگ اٹھ کر چلے گئے اور وہ اکیلے رہ گئے تو وہ کہنے لگے:

''حضرت! میں نے آپ کو یہ رقم اللہ کی رضا کے لیے دی تھی، آپ نے لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کر دیا جس کی وجہ سے میرے نفس کو خوشی ہوئی، میرا یہ عمل برباد ہو جانا تھا۔ میں نے لوگوں میں اس لیے رقم واپس مانگ لی کہ لوگ سمجھیں کہ میں نے وہ واپس لے لی ہے، اب میں اللہ کی رضا کے لیے پھر آپ کو دیتا ہوں۔''

یہ ہوتا ہے انسان کا اخلاص، وہ دیتا ہے تو اللہ کے لیے دیتا ہے۔

اس کو ''ایمانی زندگی'' کہتے ہیں۔

(۴)......اللہ کے لیے کسی کو روکنا:

''وَمَنَعَ لِلّٰهِ''......ایمانی زندگی میں انسان دیتا ہے تو بھی اللہ کے لیے اور اگر نہیں دیتا تو بھی اللہ کے لیے اس کی بھی مثالیں سن لیجیے۔

⊙......سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مال غنیمت کے اندر بہت سارا عطر آیا۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نے کہا: جی! میں اس کو تقسیم کرتی ہوں۔ فرمایا: نہیں، آپ اس کو تقسیم نہیں کر سکتیں۔ پوچھا کہ کیوں؟ میں ٹھیک ٹھیک تقسیم کروں گی۔ حتیٰ کہ ہاتھ پر بھی نہیں لگنے دوں گی۔ فرمایا: جب آپ عطر تقسیم کر رہی ہوں گی تو اس وقت آپ کو خوشبو تو آئے گی، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بیوی کو اس مال میں سے خوشبو مل جائے۔

⊙......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ چاہتی تھیں کہ کوئی سویٹ ڈش بنائیں۔ مگر آپ بیت المال سے بہت کم وظیفہ لیتے تھے۔ چنانچہ اس نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچاتی ہوں، جب اتنے پیسے ہو جائیں گے تو میں کوئی میٹھی چیز (حلوہ وغیرہ) بناؤں گی، چنانچہ وہ تھوڑا تھوڑا بچاتی رہی۔ بالآخر ایک دن اس نے حلوہ بنایا۔ خود بھی کھایا اور کچھ حضرت کے سامنے بھی پیش کیا۔ حضرت نے پوچھا: یہ

پیسے کہاں سے آئے؟ بتایا کہ میں نے اس طرح تھوڑے تھوڑے بچائے تھے اور آج میں نے اس سے یہ حلوہ بنایا۔ فرمانے لگے: تجربہ سے ثابت ہوا کہ اتنے پیسے ہماری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد بیت المال سے اتنے پیسے لینے کم کر دیے...... یہ صفت انسان کے اندر تب آتی ہے جب اسے ایمانی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

◉...... ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا کچھ کام کر رہے تھے۔ جب انہوں نے وہ کام مکمل کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ علی! آپ نے کوئی امور خلافت کی بات کرنی ہے یا کوئی ذاتی مشورہ کرنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: جی میں کوئی ذاتی بات کرنے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ رجسٹر بھی سمیٹ دیا اور پھونک مار کر چراغ بھی بجھا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے: عمر! مہمان کے آنے پر چراغ جلایا کرتے ہیں، چراغ بجھایا تو نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بھائی علی! آپ نے سچ کہا، مہمان کے آنے پر چراغ جلاتے ہیں بجھاتے نہیں، لیکن میں نے اس لیے بجھایا کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔''

یہ چیز فقط عقل کی وجہ سے انسان کے اندر نہیں آتی بلکہ ایمان کی وجہ سے آتی ہے۔ اس ایمانی زندگی میں انسان دوسروں کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ وہ بندوں سے کچھ نہیں چاہتا، وہ فقط اللہ سے چاہ رہا ہوتا ہے۔

◉...... حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی دیکھ لیجیے۔ انہوں نے کیسی تقویٰ بھری زندگی گزاری!! حالانکہ ان کا اتنا اختیار تھا کہ وہ چاہتے تو خزانے سے اپنی خواہشات کو پورا کر سکتے تھے۔

⊙ ...... سیدنا یوسف علیہ السلام کی مثال دیکھیے۔ ان کو گناہ کی دعوت مل رہی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو اپنی خواہش کو پورا کر سکتے تھے مگر اللہ کے خوف نے ان کو اس چیز سے پیچھے ہٹا دیا۔ یہ ہے ایمانی زندگی، کہ انسان کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، انکار کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، فقط اللہ کے ڈر کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو گناہوں سے بچا رہا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام:

تو اب تین باتیں یاد رکھیے:

جب جسم پر

......نفس کی حکومت ہوگی تو حیوانی زندگی،

......عقل کی حکومت ہوگی تو انسانی زندگی،

......قرآن کی حکومت ہوگی تو ایمانی زندگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس ایمانی زندگی کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

؎ طرزِ جمہوری نہ شانِ کجکلاہی چاہیے
جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

واخر دعونا ان الحمدلله رب العلمين

﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا۝﴾

(احزاب:۵۱)

تحمل مزاجی

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: زینب مسجد، معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

بتاریخ: 24 اکتوبر 2008ء برموقع: سالانہ نقشبندی اجتماع

اقتباس

تحمل مزاجی کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی ہمیشہ خوش رہتا ہے اور جس میں تحمل مزاجی کم ہو وہ ہر وقت ٹینشن میں رہتا ہے۔ عورت ہے تو...... کبھی خاوند پہ غصہ...... کبھی بچوں پہ غصہ...... کبھی ساس پہ غصہ...... کبھی نندوں پہ غصہ...... کبھی ہمسائیوں پہ غصہ...... حتی کہ کبھی اپنی بہنوں پہ غصہ اور اگر مرد ہے تو...... کبھی ماتحتوں پہ غصہ...... کبھی ساتھ والے دوستوں پہ غصہ...... کبھی بیوی پہ غصہ، ہر وقت ہی ٹینشن میں۔ تو تحمل مزاجی کا یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ بندہ اس شر بھری دنیا میں بھی خوشیوں بھری زندگی گزارتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تحمل مزاجی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا o
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

لفظ ''تحمل'' کی لغوی تحقیق

تحمل اور برداشت اردو زبان میں دو ہم معنی الفاظ ہیں۔تحمل کا مادہ حمل ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے بوجھ اٹھانا اور یہ لفظ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ایک ''ح'' کی زیر کے ساتھ یعنی کسرہ کے ساتھ جسے حِمل کہتے ہیں۔حِمل کا مطلب ہے ظاہر میں بوجھ اٹھانا، جیسے ہاتھ میں بوجھ اٹھانا، سر پر بوجھ اٹھانا جو نظر بھی آئے۔قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وِزْرًا ﴾ (طٰہٰ: 100)

اور بعض مرتبہ یہ ''ح'' کی فتح یعنی زبر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔اسے حَمل کہتے ہیں۔اس کا مطلب ہوتا ہے کہ باطن میں بوجھ اٹھانا، یا پوشیدہ بوجھ اٹھانا جیسے حاملہ عورت بوجھ اٹھاتی ہے۔اس کے سر پر بوجھ نظر نہیں آتا ہے نہ ہاتھوں میں بوجھ نظر آتا ہے لیکن اپنے بطن میں اس نے بوجھ اٹھایا ہوتا ہے۔قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ ﴾ [اور حمل والی عورتیں] (الطلاق:4)

تحمل مزاجی کسے کہتے ہیں؟

ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ بوجھ اٹھانا مشقت کا کام ہوتا ہے لیکن بسا اوقات انسان مشقت کے باوجود بھی بوجھ اٹھاتا ہے۔ اس کو تحمل کہتے ہیں۔ انسان کے اندر جذبہء انتقام بھی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ اپنے نفس کو قابو کر لے، اپنے آپ کو تھام لے، اپنے آپ کو روک لے اور اس بندے کو معاف کر دے تو اس کو تحمل مزاجی کہتے ہیں۔ گویا دوسرے کی ایذا پر صبر کر لینا، اسے برداشت کرنا اور پھر درگزر کر دینا، یہ تحمل مزاجی اور برداشت کہلاتا ہے۔

اسمائے الٰہی ''علیم وحلیم'' کا حسین امتزاج:

اللہ رب العزت علیم بھی ہیں اور حلیم بھی ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اپنے ان دونوں ناموں کو یکجا کر دیا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حلیم بھی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ ہم تو دوسروں کی غلطی کو اس لیے معاف کر دیتے ہیں کہ ہمیں اس کا تھوڑا سا پتہ ہوتا ہے۔ ہمیں تو اس کی غلطی کی دس فیصد معلومات ہوتی ہیں اور نوے فیصد ہماری آنکھ سے اوجھل ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو بندے کے عیب سے اس وقت بھی واقف ہوتے ہیں جب وہ دل میں گناہ کا ارادہ کرتا ہے۔ پھر اس نے گناہ کیسے کیا؟ اس کو بھی اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جانتے بھی ہیں اور اسے دیکھ بھی رہے ہوتے ہیں...... اللہ اکبر!!!...... اللہ تعالیٰ کا اتنا علم اور اس علم کے بعد ایسا حلم۔ ہمیں تو اپنے بچے کی غلطی کا پتہ چل جائے، پھر اسے ایک مرتبہ سمجھائیں اور وہ نہ سمجھ پائے تو ہم بچے کو گھر سے نکالنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر اس نے میری بات نہیں مانی تو یہ اس گھر میں نہیں رہ سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے

ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرتے کہ بندہ اگر گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے فرما دے کہ اے میرے بندے! میں تیرے رزق کو بند کر دوں گا۔ گناہ کرنے پر اگر بندے کا رزق بند کر دیا جاتا تو کیا ہوتا؟...... اللہ رب العزت کا تحمل دیکھیے کہ بندہ گناہ کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو رزق دیے جاتے ہیں۔ پھر اس پر عجیب بات ہے کہ قدرت انتقام کے باوجود اللہ تعالیٰ اس بندے کے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ اس کو لوگوں کی نظر میں رسوا نہیں ہونے دیتے۔ گناہوں کے باوجود لوگ اس کی تعریف کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی عارف نے یہ کہا:

”اے دوست! جس نے تیری تعریف کی، اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔“

سچی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری حقیقت کھول دیں تو لوگ منہ پر تھوکنا بھی گوارا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ گناہوں پر پردے ڈال دیتے ہیں، چھپا لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس پر فوری طور پر سزا بھی نہیں دیتے۔ یہاں تو بچہ غلطی کرے تو ماں تھپڑ لگا دیتی ہے۔ اگر قدرت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوتا تو کیا بنتا!! اللہ تعالیٰ سزا کو مؤخر فرما دیتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بندہ گناہ کرتا تو اللہ رب العزت اس سے صحت واپس لے لیتے، پھر ہمارا کیا بنتا!! پروردگار ایسا نہیں کرتے، بندے کو سنورنے کا موقع دیتے ہیں۔ اس لیے کسی نے یہ کہا:

”اس دنیا میں کسی بچے کی پیدائش اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ابھی مایوس نہیں ہوا۔“

اس امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی معاملہ ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہو گئی، نافرمانی کا ارادہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ تصدیق فرماتے ہیں کہ...... وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا...... اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ ان سے بھول

ہو گئی تھی ۔لیکن اس پر معاملہ کیا ہو؟......اللہ تعالیٰ نے جنت کی پوشاک بھی واپس لے لی اور ان کو جنت سے زمین پر بھی اتار دیا۔ پوشاک بھی اتر گئی اور جنت کے گھر سے نکال کر دنیا میں بھی بھیج دیئے گئے ۔لیکن ہم گنہگاروں کے ساتھ اللہ رب العزت کی کتنی رحمت کا معاملہ ہے! ہم جسم سے کپڑے اتار کر گناہ کرتے ہیں، پروردگار اس جسم پر دوبارہ کپڑے لوٹا دیتا ہے۔ ہم گھر سے باہر نکل کر گناہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ پھر ہمیں واپس سلامتی کے ساتھ اپنے گھروں میں لوٹا دیتا ہے۔ ہمارا پرودگار کتنا رحیم اور کتنا حلیم ہے! ؎

ہم نے کیے گناہ اس نے نہ کی پکڑ
کتنے بڑے ہیں حوصلے پرودگار کے

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''علم کی زینت حلم کے ساتھ ہوتی ہے۔''

مزہ تو یہ ہے کہ بندے کے اندر یہ دونوں صفتیں جمع ہوں۔علم بھی ہو اور حلم بھی ہو۔ آج کل علم کی صفت تو عام ہے، اکثر مل جاتی ہے، مگر حلم کی صفت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے...... تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ...... ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین کریں۔علم کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہمارا حلم بھی بڑھنا چاہیے۔

برائی کا دفاع اچھائی سے کرنے کی تعلیم:

قرآن مجید میں ہمیں یہ طریقہ سکھایا گیا ہے کہ ہم برائی کا جواب اچھائی میں دیں۔فرمایا:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ (حم السجدہ: 34)

[تم برائی کو اچھائی کے ساتھ دھکیلو]

لوگ اگر برائی کا معاملہ کرتے ہیں تو تم اچھائی کا معاملہ کرو۔ ایک آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بہت بدتمیزی کا معاملہ کر رہا تھا۔ وہ آپ علیہ السلام کو گالیاں دے رہا تھا۔ دیکھنے والے کو بڑی حیرت ہوئی۔ چنانچہ اس نے کہا: حضرت! یہ آپ کے ساتھ ایسے رف الفاظ کا استعمال کر رہا ہے اور آپ پھر بھی اسے دعا دے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا:

كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ

[ہر برتن میں سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے]

اس میں شر بھرا ہوا تھا اس لیے شر نکل رہا تھا اور میرے اندر خیر ڈالی ہوئی ہے اس لیے میرے اندر سے خیر نکل رہی تھی۔

تو شریعت نے ہمیں یہ قانون بتایا کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی بھی کرے تو تم اس کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو۔ اس لیے کہ اگر کوئی بندہ ناپاک کپڑے دھونا چاہے تو وہ پیشاب سے کبھی پاک نہیں ہوتے، بلکہ ناپاک کپڑے کو دھونے کے لیے پاک پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح برائی کو برائی کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ برائی کو ختم کرنے کے لیے اچھائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾

(الرعد: 22)

(جو لوگ برائی کے بدلے میں اچھائی کا معاملہ کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ بہترین ٹھکانہ عطا فرمائیں گے)

اگر کوئی بندہ برائی کا انتقام لینا چاہے تو شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ کتنی؟...... جتنی برائی کی گئی۔ اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دے سکتے۔ چنانچہ

فرمایا:

﴿ فَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ ﴾

(اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کا معاملہ کریں تو جتنا کریں تم اتنا جواب دے سکتے ہو)

﴿ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ (النحل: 126)

(اگر تم صبر کرلو تو صبر کرنے والوں کے لیے یہ بہت اچھی بات ہے)

تو شریعت نے ہمیں معاف کرنا اور صبر کرنا سکھایا ہے۔ یہی انسانیت ہے۔

نبیء رحمت ﷺ کی تحمل مزاجی کی روشن مثالیں:

نبی رحمت ﷺ کی مبارک زندگی میں عفوودرگزر، تحمل، برداشت اور دوسروں کو معاف کرنے کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ تاریخ انسانیت میں کسی نے دوسروں کی غلطیوں کو اتنا معاف نہیں کیا جتنا رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمنوں کی غلطیوں کو معاف کیا۔ میرے آقا ﷺ کا یہ عمل ہم سب کے لیے باعث تقلید ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار کے باوجود عفوودرگزر انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی میں اس طرح جمع نہیں ہوئے جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جمع ہوئے۔''

قاضی عیاضؒ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيْدُ مِنْ كَثْرَةِ الْاَذٰى اِلَّا صَبْرًا

(اور ان کو دشمن جتنی تکلیف پہنچاتے تھے اتنا ان کا صبر بھی بڑھتا تھا۔)

وَ عَلٰی اِسْرَافِ الْجَاهِلِ اِلَّا حِلْمًا

(اور جاہل جتنا ان کے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے تھے ان کا حلم اتنا زیادہ ہو جاتا تھا)

آپ نے دیکھا ہوگا انسان کی قوتِ برداشت کا سب سے زیادہ مظاہرہ اپنے قریب والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بیوی بچوں کے ساتھ، ماتحتوں کے ساتھ، نوکروں اور خادموں کے ساتھ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں دیکھیں۔ جو جتنا زیادہ قریب تھا وہ نبی علیہ السلام سے اتنا ہی زیادہ محبت کرنے والا تھا۔

ماتحتوں کے ساتھ تحمل مزاجی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لڑکپن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا اور دس سال تک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں رہا۔ ان دس سالوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ تو مجھے کبھی مارا، نہ مجھے کبھی ڈانٹا اور نہ ہی مجھے کبھی دھمکایا۔ دس سالوں میں ایک مرتبہ بھی ایسی نوبت نہ آئی...... سبحان اللہ!!...... تربیت کا یہ انداز دیکھیے...... اس کے برعکس ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ہر دوسرے چوتھے روز بیوی بچوں کو ایسی تیز نظروں سے دیکھتے ہیں کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ان کو روئے زمین کی بجائے زیرِ زمین ہی بھیج دیتے۔

......ایک نوجوان تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جہاں کہیں ان کو اچھی کھجور کا درخت ملتا وہ کھجور توڑ کر کھا لیتے تھے۔ علاقے کا دستور یہ تھا کہ اگر پھل کہیں گرا پڑا ہو تو جو چاہے اٹھا کے کھالے، اس بات کی عام اجازت تھی، لیکن درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے کے لیے مالک سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ نوجوان تھے۔ ان کو جہاں پھل پسند آتا، درخت پر چڑھ جاتے اور خوشہ توڑ کر کھانا شروع کر دیتے۔

ایک مرتبہ ایک مالک نے ان کو پکڑ لیا اور اس نے ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ نوجوان کہتے ہیں کہ جب مجھے نبی علیہ السلام کے پاس لایا گیا تو پہلے تو میں بڑا ڈرا کہ آج میرا ہاتھ کٹے گا۔ لیکن جب اس مالک نے بتایا کہ یہ نوجوان میری کھجوریں توڑتا ہے تو نبی علیہ السلام نے میری طرف دیکھا اور مجھے بلایا، جب میں قریب گیا تو نبی علیہ السلام نے شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر رکھا۔ میرا آدھا خوف تو وہیں ختم ہو گیا۔ پھر نبی علیہ السلام نے مجھ سے سوال پوچھا: تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ میں نے بتایا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے بھوک لگتی ہے تو میں کھجوریں توڑ کر کھا لیتا ہوں۔ تو نبی علیہ السلام نے ڈانٹا نہیں۔ بلکہ جواب میں سمجھایا کہ دیکھو، نیچے گری ہوئی کھجور ہو تو اٹھا کر کھا لیا کرو، اس کی اجازت ہوتی ہے۔ البتہ درخت پر چڑھ کر توڑنا مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ میں نے اسی وقت کہا: جی میں آج کے بعد ایسا نہیں کروں گا۔ نبی علیہ السلام نے جب میری زبان سے یہ الفاظ سنے تو آپ خوش ہوئے اور پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے میرے لیے دعا فرمائی،

''اے اللہ! اس کے فقر کو ختم کر دے۔ اس کی بھوک کو ختم کر دے۔''

کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے دعا سننے کے بعد میرے دل میں ایسی ٹھنڈک پڑی کہ اس کے بعد میں نے زندگی میں یہ عمل کبھی دوبارہ نہیں کیا...... یہ ہوئی ہے اصلاح کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اور ہم اصلاح کیسے کرتے ہیں؟...... جو جتنا زیادہ قریبی ہوتا ہے اتنا ہی اس سے زیادہ غصے سے پیش آتے ہیں۔

شیطان نے آج کے دور میں گناہوں کو نئے نام دے دیے ہیں، لفظوں کو بدل دیا ہے تاکہ لوگ گناہ چھوڑ نہ سکیں۔ چنانچہ غیبت کا نام گپ شپ رکھ دیا...... جھوٹ کا نام بہانہ رکھ دیا۔ عورت کہے گی کہ میں نے خاوند کے سامنے بہانہ کر دیا۔ وہ بہانہ نہیں

بلکہ جھوٹ ہوتا ہے۔ خوبصورت نام اس لیے رکھ دیے کہ گناہ سے نفرت نہ ہو...... اسی طرح غصے کا نام جلال رکھ دیا۔ او جی اس کی بڑی جلالی طبیعت ہے۔ شیطان اس کے دل میں یہ بات نہیں ڈالے گا کہ تجھے بے جا غصہ آتا ہے، بلکہ بڑا جلال آتا ہے۔ کیا ہی خوبصورت نام رکھ دیا!!! تاکہ یہ گناہ چھوٹنے نہ پائے...... نبی علیہ السلام نے بھی اصلاح فرمائی مگر درمیان میں جلال کا تو کہیں تذکرہ نہیں آیا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے جمال سے ایک برائی کو دل سے ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھ دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے ماتحتوں کے ساتھ عفو و درگزر کا یہ معاملہ تھا۔

اہل خانہ کے ساتھ تحمل مزاجی:

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر رحیم و کریم تھے

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اگر میں کبھی کسی بات پر غصے میں آجاتی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا کر میری طرف دیکھتے اور فرماتے: اے مُنّی سی عائشہ!''

عمر تھوڑی تھی اس لیے فرماتے ''اے مُنّی سی عائشہ!''۔ اب دیکھیے کہ اس ایک لفظ میں کتنے پیار کا میسج ہے جو بیوی کو پہنچ رہا ہے۔

......ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کسی بات پر نبی علیہ السلام سے گفتگو کر رہی تھیں، سیدنا صدیق اکبر ؓ بھی تشریف لے آئے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ابو بکر! ہمارے درمیان فیصلہ کر دو۔ انہوں نے کہا: بہت اچھا۔ معاملہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! تم بتاؤ گی یا میں بتاؤں؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہی بتائیں، مگر ٹھیک ٹھیک بتائیں۔ بیوی کا آخر ناز کا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے ہی انہوں نے کہا کہ آپ ہی بتائیں مگر ٹھیک ٹھیک بتائیں، تو سیدنا صدیق اکبر ؓ کو غصہ آگیا۔ انہوں

نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک تھپڑ لگا دیا اور کہا، تجھے تیری ماں روئے، کیا نبی علیہ السلام ٹھیک ٹھیک نہیں بتائیں گے؟ جب تھپڑ لگا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے آ کر چھپ گئیں تاکہ ابو سے دوسرا تھپڑ نہ پڑ جائے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر! ہم نے آپ سے فیصلہ کروانا تھا، کسی کو سزا تو نہیں دلوانی تھی۔ اچھا آپ جائیں ہم اپنا فیصلہ خود کر لیتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چلے گئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا:

''دیکھا! دوسرے تھپڑ سے تجھے میں نے بچایا ہے نا۔''

بس اتنی سی بات سے آپس کی بات ختم ہوگئی۔

طائف والوں کے لیے بددعا سے انکار:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ مہمان کو کھانا تک نہ پوچھا، پانی بھی نہ پلایا، بلکہ نوجوانوں سے کہا کہ ان کو شہر میں ٹھہرنے بھی نہ دو۔ نوجوانوں نے پتھر مارے۔ نعلین مبارک لہو سے بھر گئے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھکے ہوئے تھے۔ آپ بیٹھنا چاہتے تھے مگر وہ نوجوان پھر آپ کو اٹھا دیتے تھے۔ اتنی ایذا پہنچائی کہ نو سال کے بعد ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی زندگی میں سب سے زیادہ مشقت بھرا دن کون سا تھا؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''وہ طائف کا دن تھا، نو سال گزر گئے مگر مجھے آج بھی اس دن کی تکلیف یاد ہے۔''

اللہ اکبر!!...... انہوں نے اتنی تکلیف تو دی تھی جو نو سال تک یاد رہی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر آئے تو فرشتے حاضر ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام

نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ پہاڑوں پر مامور فرشتہ ہے۔ آپ اگر اجازت دیں تو دو پہاڑوں کو ٹکرا کر پوری بستی کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو ہوسکتا ہے کہ ان کی اولادوں میں اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگ پیدا کر دیں جو میرے کلمے کو قبول کرنے والے ہوں۔ بددعا کے موقع پر دعا کر دینا۔ یہ میرے آقا ﷺ کی امتیازی شان تھی۔ ورنہ عام دستور تو یہ تھا کہ ان کے تکلیف پہنچانے سے بددعا کے الفاظ نکلتے۔

دندان مبارک شہید ہونے پر بھی دعائیں:

غزوہ احد میں جب کفار نے زور کیا، اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دانت مبارک بھی شہید ہوئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ صحابہ کرام موجود تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا اور ایک صحابیؓ نے بڑھ کر کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ان کافروں کے لیے بددعا ہی کر دیجیے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔''

پھر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

(اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ مجھے جانتے نہیں ہیں)

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

دشمنوں کے لیے گندم کی فراہمی کا حکم:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت فرمائی تو مدینہ طیبہ میں کچھ عرصہ کے بعد کافروں کا ایک سردار آیا۔ وہ یمامہ کے لوگوں کا سردار تھا۔ اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔ وہ ایمان لے آیا۔ اس کے بعد واپس چلا گیا۔

اہل مکہ کو اپنی ضرورت کے لیے گندم یمامہ سے منگوانی پڑتی تھی۔ جب وہ سردار ایمان لے آیا تو اگلی مرتبہ اس نے قریشِ مکہ کو گندم بیچنے سے انکار کر دیا...... بھئی! مالک کی مرضی ہوتی ہے کہ جس کو چاہے بیچے جس کو چاہے نہ بیچے...... اس نے انکار کر دیا۔ گندم کی کمی ہو گئی۔ اہل مکہ فاقوں پہ مجبور ہو گئے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو قریش مکہ نے اپنا ایک وفد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھیجا...... اب یہ کون لوگ تھے؟ یہ وہ ظالم لوگ تھے جنہوں نے صحابہ کو بھی تکالیف پہنچائیں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تیرہ سال تک تکلیفیں پہنچائیں...... انہوں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہم لوگ فاقوں کا شکار ہو چکے ہیں، آپ ہی اس بندے کو (ثمامہ بن اثال) کو کہہ دیں کہ وہ ہمیں گندم دینا شروع کر دے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ان کو کوئی بات نہ کہی اور ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کی طرف آپ نے فوراً پیغام بھیجا۔

''تم حسبِ دستور اہل مکہ کو گندم دو تا کہ وہ فاقوں پر مجبور نہ ہو جائیں۔''

چنانچہ نبی علیہ السلام کے حکم پر گندم ان لوگوں کو پہنچائی گئی، جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک جان کے دشمن تھے۔ کیا ہم اپنی زندگی کا کوئی ایک واقعہ پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارا کوئی ایسا دشمن ہو اور پھر ہم نے اس کے ساتھ ایسا اچھائی کا معاملہ کیا ہو!

بیٹی کے قاتل کو معافی کا پروانہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب ﷞ کی شادی اپنے کزن ابوالعاص سے ہوئی۔ ایک موقع پر ابوالعاص نے ان کو اجازت دی کہ اگر آپ چاہیں تو میرے پاس مکہ مکرمہ میں رہیں اور اگر چاہیں تو مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کا ارادہ فرمالیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی کنانہ سے کہا کہ تم ان کو مدینہ میں چھوڑ آؤ۔ ادھر سے نبی علیہ السلام نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیج دیا تھا جو مکہ سے تھوڑے فاصلے پر انتظار میں تھے۔ چنانچہ سیدہ زینب ﷞ جانے کے لیے تیار ہوگئیں۔

جب مکہ سے باہر نکلنے لگیں تو کافروں کو پتہ چل گیا۔ ابوسفیان سب سے زیادہ خفا تھا کہ یہ تو قریشِ مکہ کی بڑی بے عزتی ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام کی بیٹی دن دیہاڑے اتنی جرأت کے ساتھ چلی جائے اور ہم اس کا راستہ نہ روک سکیں، چنانچہ وہ آیا اور کہنے لگا: ہم اس کو جانے نہیں دیں گے۔

اس موقع پر ایک نوجوان حبار بن الاسود بھی موجود تھا جو حضرت زینب ﷞ کا رشتے میں کزن لگتا تھا...... بعض اوقات قریبی رشتہ دار ہی وقت آنے پر زیادہ تکلیف کا باعث بنتے ہیں...... اس نے آکر حضرت زینب ﷞ کی سواری کی ٹانگ پر وار کیا۔ جب اونٹنی پر وار ہوا تو وہ اونٹنی بدکی اور سیدہ زینب ﷞ نیچے گر پڑیں۔ اس وقت وہ امید سے بھی تھیں۔ نیچے پتھریلی زمین تھی۔ چنانچہ حاملہ حالت میں اونٹ کی بلندی سے عورت گرے تو کیا ہوتا ہے؟ وہی ہوا کہ بالآخر حمل ضائع ہوگیا۔ اس قریبی رشتہ دار کی وجہ سے اتنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

خیر، ابوسفیان نے کہا کہ آج تم ان کو واپس لے جاؤ اور کل چپکے سے اس کو یہاں

سے نکال لینا، ہم پھر اس کا راستہ نہیں روکیں گے۔ بات کرنے والوں کو ہم اتنا تو کہہ دیں گے کہ ہاں ہم نے ایک مرتبہ ان کا راستہ روکا تھا۔ چنانچہ سیدہ زینب ﷺ کو اسی تکلیف کی حالت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑا۔ اس زمانے میں سواری پر اس سفر کے لیے پندرہ دن لگتے تھے۔ سوچیں کہ ایسی تکلیف اور پھر مشقت بھرا سفر۔

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں تو تکلیف کی وجہ سے ان کی حالت بہت بری ہو چکی تھی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے جگر گوشہ کو اس حالت میں دیکھا تو مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور فرمایا کہ میری اس بیٹی کو دین کی خاطر جتنا ستایا گیا اتنا کسی دوسرے کو نہیں ستایا گیا۔ اور یہی زخم بالآخر بعد میں وفات کا سبب بھی بنا۔

اب سوچیے کہ جو بندہ ایسا زخم لگائے کہ بیٹی کی موت ہی واقع ہو جائے وہ کتنا بڑا دشمن ہوتا ہے! بندے کا بس چلے تو اس کا گلا ہی گھونٹ دے، اور اس کی گردن جسم سے جدا کر دے......لیکن ہوا کیا؟...... جب مکہ فتح ہوا تو حبار بن الاسود کو بھی اپنے کیے کا پتہ تھا۔ وہ جدہ کی طرف بھاگا کہ میں کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔ راستے میں خیال آیا کہ میں نے جو کیا سو کیا، مگر سنا یہ ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام تو بہت معاف کرنے والے ہیں، چلو آزما ہی لیتا ہوں۔

چنانچہ وہ واپس آیا اور آتے ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کہنے لگا: جی آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے واقعی بہت برا کام کیا تھا۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے اپنی بیٹی کے اس قاتل کے گناہ کو بھی معاف کر دیا...... ہم لوگوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو معاف نہیں کر سکتے۔ او جی فلاں نے محفل میں یوں کہا! فلاں نے میرے بارے میں یوں کہا! ہم ان کو معاف نہیں کر سکتے، اور ایسے شخص کو معاف کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

صفوان بن امیہ کے ساتھ عفو و درگزر:

مکہ مکرمہ میں ایک اسلحہ ڈیلر تھا۔ اس کا نام صفوان بن امیہ تھا۔ یہ اس زمانے میں اتنا بڑا اسلحہ ڈیلر تھا کہ اس کے پاس ہزاروں کی تعداد میں نیزے اور تلواریں سٹاک میں موجود رہتے تھے۔ جب قبیلے آپس میں لڑتے تھے تو اس سے ہتھیار کرایہ پر لے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ جب غزوۂ حنین کے لیے نبی علیہ السلام تشریف لے جانے لگے تو خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے تلواریں اور نیزے ادھار لیے تھے۔

اس نے ایک آدمی کو تیار کیا جس کا نام عمیر بن وہب تھا۔ اس سے کہا کہ دیکھو، تمہارے اہلِ خانہ کے خرچہ کی ساری ذمہ داری میں لیتا ہوں، پوری زندگی ان کو میں خرچہ دوں گا۔ یہ تلوار میں آپ کو دے رہا ہوں، یہ زہر میں بجھی ہوئی ہے۔ اس کو لے کر مدینہ منورہ جاؤ اور مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام پر حملہ کرو۔ اس کو پکا یقین تھا کہ اگر اس تلوار کی خراش بھی لگ گئی تو وہ دوسرے بندے کے مرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ عمیر اس کے لئے تیار ہو گیا۔

چنانچہ وہ مدینہ طیبہ آیا۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ ایک صحابیؓ نے اسے دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ...... ''بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں''...... چنانچہ انہیں نے عمیر کو گرفتار کر لیا اور نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے صفوان بن امیہ نے اس مشن کے لیے روانہ کیا تھا۔ اب آپ مجھے معاف فرما دیں کیونکہ میں غربت سے تنگ ہو کر یہ کام کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر بن وھب کو بھی معاف کر دیا۔ اس کے بعد وہ واپس مکہ مکرمہ چلا گیا۔

کچھ عرصہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو عمیر بن وہب نے تو آ کر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ لیکن صفوان بن امیہ کو پکا پتہ تھا کہ

میرے تو قتل کے احکام جاری ہو جائیں گے، چنانچہ وہ جان بچا کر بھاگا۔ وہ چاہتا تھا کہ یمن چلا جائے لیکن عمیر بن وہب نے جب اسلام قبول کیا تو اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ، اے اللہ کے نبی ﷺ! صفوان بن امیہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گیا ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس کی جان کو امان دے دیں، بخش دیں۔ نبی علیہ السلام نے معاف فرما دیا۔

عمیر کہنے لگا کہ اگر میں صفوان کو آپ کی طرف سے معافی کا بتاؤں گا بھی، تو وہ میری بات کا یقین نہیں کرے گا، لہٰذا آپ کوئی نشانی دے دیں تا کہ اس کو یقین آ جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا مبارک عمامہ اتار کر دے دیا اور فرمایا کہ میرا عمامہ اس کے پاس لے جاؤ، یہ نشانی کے طور پر اسے دکھا دینا۔

اب عمیر بن وہب چلے۔ راستے میں صفوان ملے اور کہا کہ صفوان! آئیں واپس چلیں۔ اس نے کہا کہ مجھے جان کا خطرہ ہے۔ عمیر نے کہا: میں ان سے جان بخشی کا وعدہ لے چکا ہوں۔ اس نے پوچھا: تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ عمیر کہنے لگے: دیکھو وہ اتنے رحیم و کریم ہیں کہ انہوں نے اپنا عمامہ بطور نشانی عطا فرما دیا ہے۔ جب صفوان نے عمامہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ چنانچہ وہ واپس آیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا، میں نے سنا ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں۔ کہنے لگا کہ میں نے تو ابھی اسلام لانے کا ارادہ نہیں کیا۔ آپ مجھے دو مہینے کی مہلت دے دیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں دو مہینے کی بجائے چار مہینے کی مہلت دیتا ہوں، جب تمہارا جی چاہے اس وقت کلمہ پڑھ لینا۔ اللہ رب العزت نے صفوان کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ چار مہینے گزرنے سے پہلے اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

زہر کھلانے والی عورت کی معافی:

جب خیبر فتح ہوا تو ایک یہودیہ عورت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کھانا بھجوایا جس میں زہر تھی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی لقمہ منہ میں ڈالا کہ فوراً پہچان لیا، لیکن زہر نے اپنا اثر کر دیا۔ یہودیہ عورت کو پکڑا گیا اور اس نے اپنا جرم تسلیم بھی کر لیا، لیکن اس نے معافی مانگ لی۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ عورت کو بھی معاف فرما دیا۔

ابوجہل کے بیٹے کی معافی:

جب مکہ فتح ہوا تو ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو بہت ڈر تھا کہ میرے والد نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا اب اس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ یہ فتح مکہ کے دن وہاں سے بھاگ گئے۔ ان کی بیوی حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کلمہ پڑھ لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد کہنے لگیں، جی آپ میرے خاوند کو بھی معاف فرما دیجیے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بھی معاف کر دیا۔

اب امِ حکیم رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ جب ایک جگہ دریا کے کنارے پر پہنچیں تو پتہ چلا کہ خاوند کشتی کے ذریعے ابھی یہاں سے روانہ ہوا ہے۔ انہوں نے بھی کشتی کرایہ پر لے لی اور ملاح سے کہا کہ ذرا جلدی چلو کہ مجھے اگلی کشتی میں سوار ایک آدمی سے ملنا ہے۔ چنانچہ دریا میں کشتی کے سامنے کشتی لائی گئی اور انہوں نے اپنے خاوند سے پوچھا: جی آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ کہا کہ میں آپ کی جان کی امان لے کر آئی ہوں، چلیں اپنے گھر چلتے ہیں۔ وہیں زندگی گزاریں گے۔

چنانچہ عکرمہ واپس آ گئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آئے۔ ابھی دور ہی تھے کہ ایک صحابی کی نظر پڑی تو وہ صحابی رضی اللہ عنہ دوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ کو بتائیں کہ ابوجہل کا بیٹا آیا ہے۔ وہ اتنا بڑا دشمن ہے۔ نبی علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جی عکرمہ آئے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام جلدی سے اٹھے، سر پر عمامہ رکھنے کا وقت بھی نہ ملا اور فوراً باہر نکل کر فرمایا:

''اے مہاجر سوار! تیرا آنا مبارک ہو۔''

ابوجہل وہی تھا جس نے نبی علیہ السلام کو شہید کرنے کی پلاننگ کی تھی۔ اس کے بیٹے کے ساتھ بھی ایسا عفو و درگزر کا معاملہ......!!!

ابوسفیانؓ کی معافی کا اعلان:

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیجیے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کے مشورے میں بھی وہ موجود تھے۔ اور غزوہ خندق کے موقع پر تو وہ کافروں کے بہت بڑے لیڈر بن کر آئے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی علیہ السلام نے ان کو بھی معاف کر دیا اور ساتھ یہ بھی فرما دیا:

من دخل دار ابی سفیان کان امنا

(جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ بھی امان پا گیا)

ہندہ کے ساتھ عفو و درگزر:

ابوسفیان کی بیوی کا نام ''ہندہ'' تھا۔ یہ بہت ہی زیادہ جابر عورت تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے غلام وحشی کے ذریعے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوہ احد میں شہید کروایا تھا۔ اس نے منت مانی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو یہ آئی، اس

نے خنجر سے آپ کے سینہ کو چیرا، جسم سے دل بھی نکال دیا اور کلیجے کو چبایا، پھر کان کاٹے، پھر آنکھیں نکالیں۔ گویا لاش کو مسخ کر کے رکھ دیا۔

جب نبی علیہ السلام نے اپنے چچا کی لاش کو دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کی لاش دیکھنے سے منع کر دیا تھا اور فرمایا کہ اس کی لاش دیکھنے نہ آنا، تم برداشت نہیں کر سکو گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے چچا کی اس المناک شہادت پر بہت صدمہ ہوا کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین قسم کا رشتہ تھا۔

...... حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے چچا بھی تھے۔

...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوست بھی تھے۔ اور

...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دودھ شریک (رضائی) بھائی بھی تھے، کیونکہ ایک باندی نے دونوں کو بچپن میں دودھ بھی پلایا تھا۔

سوچیے اس المناک واقعہ کی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل پر کتنا گہرا زخم لگا ہوگا۔

جب مکہ فتح ہوا تو وہ ہندہ جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کے ساتھ یہ سارا معاملہ کیا تھا وہ آئی، اس نے کلمہ پڑھا اور نبی ﷺ نے کلمہ پڑھنے پر اس کی اس غلطی کو معاف فرما دیا۔

وحشی کی معافی کا معاملہ:

اس سے بھی بڑھ کر یہ بات دیکھیے کہ وہ وحشی جس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ پہلے تو اس نے بھی بھاگنے کی سوچی، پھر کہنے لگا: نہیں جاتا، بلکہ سیدھا نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ سامنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی

جانب سے آئے اور اونچی آواز سے کلمہ پڑھ دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وحشی نظر آئے۔اب تو وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے، نبی علیہ السلام نے ان کے کلمہ پڑھنے کو قبول کر کے ان کو معاف بھی کر دیا۔البتہ اتنا فرما دیا: وحشی! اتنا زیادہ سامنے نہ آیا کرو، تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا یاد آ جاتے ہیں.....تو نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں عفو و درگزر کی ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گیں۔تاریخِ انسانیت میں کوئی دوسری ایسی مثال نہیں کہ کسی نے اپنے دشمنوں کو اتنا معاف کیا ہو۔

عثمان بن طلحہ کے ساتھ تحمل مزاجی کا مظاہرہ:

جب مکہ فتح ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا۔ یہ وہ شخص تھا جس کے پاس بیت اللہ شریف کی کنجی تھی۔ جب وہ آئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''بیت اللہ کی کنجی دو۔'' اس نے کنجی دے دی۔ نبی اکرم ﷺ نے بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا۔ اندر تشریف لے گئے۔صحابہ کرام ﷺ بھی ساتھ تھے۔جب آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے اندر عبادت کر لی اور پھر دعا بھی مانگ لی اور باہر نکلنے لگے تو جو جلیل القدر صحابہؓ ساتھ تھے ان میں سے ہر ایک کے دل کی تمنا تھی کہ یہ کنجی ہمیں ملے......دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جب کسی کو حکومت ملتی ہے تو وہ اسی کو نوازتا ہے جو اس کا اپنا ہوتا ہے۔اور جو مخالف ہو اس کے منہ سے تو لقمہ بھی چھیننے کی کوشش کی جاتی ہے......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سب جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے اور ہر ایک کے دل کی تمنا یہ تھی کہ بیت اللہ کی کنجی ہمیں دی جائے۔اور کنجی بردار بننے کی سعادت ہمیں نصیب ہو جائے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ کا دروازہ بند کروایا، باہر تشریف لائے،

عثمان بن طلحہ کھڑا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بلا کر فرمایا:

''عثمان! کیا تجھے وہ ہجرت والا دن یاد ہے جب میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانا چاہتا تھا اور میرے دل کی بڑی تمنا تھی کہ میں بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اپنے رب کی عبادت کروں؟ اس وقت میں نے تمہیں کہا تھا کہ بیت اللہ کا دروازہ کھولو اور تم نے کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت میں نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ جس حیثیت سے آج تم کھڑے ہو اس حیثیت میں میں ہوں گا اور جس حیثیت میں میں کھڑا ہوں اس حیثیت میں تم ہو گے۔ عثمان! میرے اللہ نے میری بات کو پورا فرما دیا۔ آج تیرے ہاتھ خالی ہیں اور بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہے، لیکن عثمان! میں تیرے ساتھ وہ نہیں کروں گا جو تو نے میرے ساتھ کیا تھا، میں یہ بیت اللہ کی کنجی تمہیں ہی واپس دیتا ہوں۔ یہ قیامت تک تمہاری نسل میں باقی رہے گی''

......اللہ اکبر کبیرا

فتح مکہ کے دن عام معافی کا اعلان:

فتح مکہ کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حجر اسود کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ مکہ کے بڑے بڑے سردار سامنے ہیں، اور ان کے سر جھکے ہوئے ہیں۔ ان کو اپنا کیا یاد تھا کہ جب مسلمان یہاں تھے تو ہم نے

......بلال رضی اللہ عنہ کو کیسی کیسی سزائیں دیں!؟

......خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سلوک کیا!؟

......خباب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا!؟

......سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا کیا!؟

......سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا کیا!؟

......خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا کیا تکلیفیں پہنچائیں!؟

ان کو یہ سب کچھ یاد تھا۔ اور آج ان کے دل کہہ رہے تھے کہ پتہ نہیں ہم سے کیسے بدلہ لیا جائے گا؟ سر جھکے ہوئے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت ارشاد فرمایا: بتاؤ! تم مجھ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟ وہ کہنے لگے: آپ کریم ہیں، ہم توقع رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ کرم کا معاملہ فرمائیں گے...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ سکتے تھے کہ مجھے وہ تیرہ سالہ زندگی کی باتیں اب بھی یاد ہیں......''مجھے یاد ہے وہ ذرہ ذرہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو''...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں عار نہیں دلائی، طعنہ نہیں دیا، البتہ اتنا فرمایا کہ ہاں میں تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

[آج کے دن تم پر کچھ ملامت نہیں]

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سرداران قریش کی تمام غلطیوں کو معاف فرما دیا۔

حیوانیت کی بجائے انسانیت اپنائیں:

آج ہم ذرا ذرا سی بات پر بپھر جاتے ہیں، آپے میں نہیں رہتے۔ خاوند معمولی سی بات پر طلاق کی دھمکی دے دیتا ہے۔ بیوی بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کر جاتی ہے۔ آپس میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ الجھے رہتے ہیں اور پھر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سے بڑا دیندار ہی کوئی نہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اب ہم دیکھیں کہ ہم اپنے اندر کتنا عفو و درگزر پاتے ہیں؟ معمولی غلطی پر متنفر ہو جانا اور دوریاں پیدا کر لینا، آجکل یہ عام سی عادت بن گئی ہے۔ اللہ کے بندو! فرشتے کہاں سے لاؤ گے؟ انہی انسانوں کے ساتھ مل کر ہی رہنا ہے۔ ایک بات کی وجہ سے اس بندے کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، خاوند کی ایک غلطی پر بیوی ایسے

معاملہ کرتی ہے جیسے اس نے اس کے پاس خیر دیکھی ہی نہیں۔ بیوی کی معمولی غلطی پر خاوند اسے سمجھتا ہے کہ اس سے بری عورت دنیا میں کوئی اور ہے ہی نہیں۔ یہ کیا ہے؟...... اس کو تربیت نہیں کہتے، حسنِ اخلاق نہیں کہتے، یہ انسانیت کم ہے، حیوانیت زیادہ ہے۔ ہمیں اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرنے ہیں۔ ہم درگزر کا معاملہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت کے دن ہمارے قصوروں کو بھی جلدی معاف کر دے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''جو انسان دنیا میں دوسروں کے قصوروں کو جلدی معاف کرتا ہوگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قصوروں کو بھی جلدی معاف فرمادیں گے''۔

حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کی بیوی سے کوئی نقصان ہو گیا۔ وہ نقصان اتنا بڑا تھا کہ اسے خاوند چاہتا تو طلاق دے دیتا یا اگر وہ چاہتا تو سزا دیتا لیکن اس نے دیکھا کہ بیوی بہت شرمندہ ہے، منت سماجت کر رہی ہے، چنانچہ اس نے کہا: کوئی بات نہیں، اللہ کی بندی غلطی کر بیٹھی ہے، غلط فیصلہ کر بیٹھی ہے، چلو میں نے معاف کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی وفات ہو گئی۔ خواب میں کسی سے اس کی ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا کہ سناؤ آگے کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگا: اللہ کے حضور میری پیشی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاح موقع پر تم نے اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کر معاف کیا تھا، آج میں بھی تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔

اختلافِ رائے کو دشمنی بنانے سے بچیں:

اولیاء اللہ کا یہی خُلق رہا ہے کہ وہ دوسروں کو معاف کرتے رہے ہیں۔ ہم بھی ایک دوسرے کو برداشت کرنا سیکھیں، ذرا سی بات پہ اختلاف رائے کو دشمنی نہ بنایا کریں۔ اللہ کی شان، ایک ہی مسجد ہوتی ہے...... ایک ہی مسجد کے دو نمازی...... ادھر بھی داڑھی، ادھر بھی داڑھی...... ادھر بھی دین کا نام، ادھر بھی دین کا نام...... اور آپس

الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمیں معاف کرنا تو آتا ہی نہیں۔

To run a big show one should have a big heart.

اچھی زندگی گزارنے کے لیے بندے کو بڑا دل کرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ ہم اپنا دل بڑا کرلیں، برائی کا جواب اچھائی میں دینا، یہ قرآن مجید کی تعلیمات ہیں۔

آپ یہ سوچیں کہ برائی کا بدلہ اچھائی میں دینے کی صورت میں تو ہم نقصان میں رہیں گے، نہیں آپ نقصان میں نہیں رہیں گے۔ اس لیے کہ اگر آپ صبر کریں گے تو یاد رکھیں کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ اگر آپ نے اپنے پلڑے میں اللہ کی مدد کا وزن لے لیا تو آپ کا پلڑا تو پوری دنیا سے بھاری ہو جائے گا۔ یہ معاف کرنا اللہ رب العزت کی صفت ہے۔ جو معاف کرے گا، اسے اللہ کی رحمت میں سے زیادہ حصہ نصیب ہوگا۔ البتہ لوگوں کی شر سے بچنے کے لیے قرآن مجید کی سورتیں اور آیات پڑھتے رہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے ہمیں بچائے رکھے۔

دس چیزیں دس چیزوں کو روکتی ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے:

عَشْرَةُ اَشْيَاءٍ تَمْنَعُ عَشْرَةَ اَشْيَاءٍ

(دس چیزیں دس چیزوں کو روکتی ہیں)

ذرا دل کے کانوں سے سنیے! اگر آپ ان پر عمل کریں گے تو آپ کو کسی عامل کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ فرمایا:

(۱)......اَلْفَاتِحَةُ تَمْنَعُ غَضَبَ الرَّبِّ

(سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو روکتی ہے)

یعنی اگر بندہ سورۃ فاتحہ کثرت سے پڑھے تو وہ اللہ کے غصے سے بچ جاتا ہے۔

(۲)......یٰسٓ تَمْنَعُ عَطْشَ الْقِیَامَۃِ

(سورۃ یسین روز قیامت کی پیاس کو روکتی ہے)

اگر سورۃ یسین پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی پیاس سے بچالیں گے۔

(۳)......اَلدُّخَانُ تَمْنَعُ مِنْ اَھْوَالِ الْقِیَامَۃِ

(سورۃ دخان قیامت کی ہولنا کیوں سے روکتی ہے)

اگر ہم یہ سورۃ کثرت سے پڑھیں گے تو قیامت کے دن کی ہولنا کیوں سے بچ جائیں گے۔

(۴)......اَلْوَاقِعَۃُ تَمْنَعُ الْفَقْرَ وَالْفَاقَۃَ

(سورۃ واقعہ فقر وفاقہ سے روکتی ہے)

جو لوگ مقروض رہتے ہیں یا جن کو اپنے رزق کی کمی کا شکوہ رہتا ہے، وہ سورۃ واقعہ کی روزانہ تلاوت کیا کریں، اللہ تعالیٰ ان کا فقر وفاقہ دور کر دیں گے۔

(۵)......اَلْمُلْکُ تَمْنَعُ عَذَابَ الْقَبْرِ

(سورۃ ملک عذاب قبر سے روکتی ہے)

اس سورۃ کو روزانہ پڑھنے کی تاکید آتی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام رات کو سونے سے پہلے سورت ملک کی تلاوت فرماتے تھے۔ بلکہ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''قرآن مجید کی ایک سورت ہے اس کی تیس آیات ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ وہ میرے ہر امتی کے دل میں ہو'' تو تیس آیات کو یاد کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ یہ تو عام آدمی بھی جو اپنے آپ کو زیادہ ذہین نہیں سمجھتا وہ بھی روزانہ ایک آیت زبانی یاد کر سکتا ہے، گویا اسے بھی ایک مہینے میں سورۃ ملک یاد ہو جائے گی۔

(۶)......اَلْکَوْثَرُ تَمْنَعُ خُصُوْمَ الْخُصَمَاءِ

(سورۃ کوثر دشمنوں کے جھگڑوں سے روکتی ہے)

یعنی اس سورۃ کا پڑھنا جھگڑا کرنے والوں کے جھگڑے سے بچا لیتا ہے۔ آپ سورۃ کوثر کی تلاوت کرلیا کریں، اللہ تعالیٰ جھگڑالو لوگوں سے بچالیں گے۔

(۷)......اَلْکٰفِرُوْنَ تَمْنَعُ الْکُفْرَ عِنْدَ النَّزْعِ

(سورۃ کافرون حالتِ نزع میں کفر سے بچاتی ہے)

اللہ اکبر۔ اس سورۃ کی تلاوت کرنے والا موت کے وقت کفر سے بچ جائے گا۔

(۸)......اَلْاِخْلَاصُ تَمْنَعُ النِّفَاقَ

(سورۃ اخلاص نفاق سے روکتی ہے)

اگر آدمی منافقت سے بچنا چاہے تو وہ سورۃ اخلاص کی تلاوت کثرت سے کیا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو دورنگی سے بچالیں گے۔

(۹)......اَلْفَلَقُ تَمْنَعُ حَسَدَ الْحَاسِدِیْنَ

(سورۃ فلق حاسدوں کے حسد سے روکتی ہے)

(۱۰)......وَ النَّاسُ تَمْنَعُ الْوَسَاوِسَ

(اور سورۃ الناس وساوس سے روکتی ہے)

جس کو نفسانی، شیطانی اور شہوانی وساوس تنگ کرتے ہوں وہ اگر سورۃ الناس کی تلاوت کرلے تو اللہ تعالیٰ وساوس سے اس کی حفاظت فرما لیتے ہیں۔

تو بھائی! اللہ کے بندوں سے جھگڑے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ قرآن میں نسخہ شفاء موجود ہے۔ اسکی سورتیں پڑھ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ خود بخود جھگڑالو لوگوں سے، حاسدین سے اور ہر قسم کے مخالف سے حفاظت فرمائیں گے۔ البتہ ہم اپنے دل میں یہی نیت کریں کہ جس کسی نے ہمارے ساتھ برائی کا معاملہ کیا، ہم اپنی طرف سے اس کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں گے۔

حضرت گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

حضرت گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ایک مرتبہ وہ کشتی میں سفر کر رہے تھے،لوگوں نے ان کے ساتھ بدتمیزی کا معاملہ کیا۔ جب لوگوں نے بہت ہی زیادہ ان کی گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں الہام کیا، اے میرے پیارے! یہ آپ کے ساتھ ایسا بدتمیزی کا معاملہ کر رہے ہیں، اور آپ عفو و درگزر کا مجسمہ بن کر آرام سے بیٹھے ہیں، اگر آپ چاہیں تو میں کشتی الٹ دوں تاکہ یہ سب لوگ ڈوب جائیں۔ جیسے ہی ان کے دل میں یہ الہام ہوا،تو حضرتؒ نے فوراً ہاتھ اٹھائے، دعا مانگی، اے اللہ! اگر آپ کشتی کو الٹنا ہی چاہتے ہیں تو ان لوگوں کے دلوں کی کشتی کو الٹ دیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعا قبول ہوگئی اور اس کشتی میں جتنے مرد اور عورتیں سوار تھیں ان میں سے ہر ایک کو موت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ولایت کا مقام عطا فرما دیا...... یہ عفو و درگزر ہوتا ہے [illegible] اولیاء اللہ ہوتے ہیں [illegible] ہمیں اپنے اندر قوت برداشت پیدا کرنی چاہیے۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز صبر:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا ایک مرید حضرت کو ملنے کے لیے ان کے گھر پر آیا، دستک دی۔ اندر سے جواب آیا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس نے پوچھ لیا: جی وہ کہاں گئے ہیں؟ تو آگے سے دو چار سخت باتیں سننا پڑیں کہ ہمیں کیا پتہ کہاں ہیں...... اتنا سختی سے جواب ملا کہ وہ حیران ہی رہ گیا، وہ سوچ میں پڑ گیا کہ حضرت اتنے بڑے بزرگ ہیں اور گھر میں بیوی کا یہ جلال ہے۔

خیر وہ اس جنگل کی طرف چل پڑا، جہاں حضرتؒ گئے ہوئے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں

کہ سامنے سے حضرتؒ ایک شیر پر سوار ہو کر آرہے ہیں۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ ملاقات ہوئی، مگر وہ رہ نہ سکا، پوچھ بیٹھا کہ حضرت! آپ کا مقام تو ایسا ہے کہ شیر پر سوار ہیں اور گھر میں اس طرح کا معاملہ ہے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اپنی بیوی کی اس سختی کو برداشت کرتا ہوں اس کا پھل اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ شیر میرے بوجھ کو برداشت کرتا ہے اور مجھے اپنے اوپر سوار ہونے کی اجازت دیتا ہے..... صبر رائیگاں نہیں جاتا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو ولایت کا مقام کیسے ملا؟

حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جمال کی تجلی ڈالی تھی۔ خود بھی بہت خوبصورت تھے اور ان کو صحیح چیز ہی اچھی لگتی تھی۔ بہت نازک مزاج تھے۔

نازک مزاجی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ وقت کا بادشاہ ملنے کے لیے آیا۔ تھوڑی دیر حضرتؒ کے پاس بیٹھا، اتنے میں پیاس لگی۔ خادم تو کوئی قریب نہیں تھا اس لیے اس نے اجازت مانگی، حضرت! کیا میں آپ کے گھڑے سے پانی پی لوں؟ فرمایا: ضرور پئیں۔ اس نے دیکھا کہ گھڑے کے اوپر پیالہ رکھا ہوا تھا، اس نے پیالہ اٹھایا اور گھڑے کا پانی پیا۔ جب دوبارہ پیالہ گھڑے پر رکھا تو ذرا ٹیڑھا رکھ دیا، پھر آکر باتوں میں مصروف ہو گیا۔ اللہ والے برداشت کر لیتے ہیں..... آخر میں کہنے لگا: حضرت! آپ کے پاس خادم کوئی نہیں ہے، اجازت ہو تو میں آپ کی خدمت کے لیے کوئی خادم بھیج دوں۔ تو فرمایا: بادشاہ سلامت! آپ کا اپنا حال تو یہ ہے کہ آپ نے پانی پیا اور اس کے بعد پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا، اسی وقت سے میرے سر میں درد ہو رہا ہے، اور اگر آپ کا خادم آگیا تو پتہ نہیں وہ میرا کیا حشر کرے گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی جمال کی تجلی ڈالی تھی کہ بچپن میں بھی کسی بدصورت بندے کے پاس نہیں جاتے تھے۔حالانکہ شیر خوارگی کی عمر تھی۔ ان کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔ان کا درجہ اور مقام کیا تھا؟.....حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا کشف عطا فرمایا ہے کہ میں پوری دنیا کو ایسے دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر پڑے ہوئے گندم کے دانے کو دیکھتا ہوں۔اس کے بعد یہ کہتا ہوں کہ روئے زمین پر مرزا مظہر جانِ جاناں جیسا کوئی بزرگ اس وقت پوری دنیا میں موجود نہیں ہے۔''ان کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصدیق موجود ہے۔

ان کو یہ مقام کیسے ملا؟.....وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ ان کو الہام ہوا کہ اگر تم ولایت کے اونچے مرتبے چاہتے ہو تو فلاں عورت سے شادی کرلو،اس کی طبیعت میں بڑا غصہ اور جلال ہے۔چنانچہ حضرتؒ نے اس عورت سے شادی کر لی۔وہ عورت واقعی جلال والی تھی اور حضرتؒ اس کے غصے پر صبر کر لیتے۔پھر اس صبر پر یہ اجر ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت کا یہ درجہ عطا فرما دیا۔حضرت اس کی تلخی ترشی برداشت کرتے رہتے تھے اور ساتھ ساتھ دعائیں بھی کرتے رہتے تھے۔

اللہ والوں کی دعائیں رائیگاں نہیں جاتیں،ان دعاؤں کا نتیجہ دیکھیں۔حضرتؒ کی زندگی میں تو اس بیوی کا معاملہ ایسے ہی رہا،بالآخر حضرت کی وفات ہوگئی۔حضرتؒ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کی اہلیہ محترمہ کو مدرسہ کے قریب پانی پت میں ایک مکان لے کر دیا۔حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ مفسر بھی تھے،محدث بھی تھے،فقیہ بھی تھے،صوفی بھی تھے۔اللہ رب العزت نے ان کو یہ مقام عطا کیا تھا،انہوں نے تفسیر مظہری بھی لکھی۔ان کا ایسا مقام تھا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن اگر اللہ رب

العزت نے پوچھا کہ تم میرے پاس کیا لائے ہو تو میں قاضی ثناء اللہ کو اللہ کے سامنے پیش کر دوں گا۔تو حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بیوی پانی پت میں رہنے لگی۔مگر حضرتؒ کی دعائیں رنگ لائیں۔اب حضرت کی اہلیہ کا دل نیکی کی طرف بہت ہی متوجہ ہوا۔اکیلی رہتی تھیں،انہوں نے بچوں کو قرآن مجید پڑھانا شروع کر دیا۔ان بچوں سے ان کا فیض اتنا پھیلا،اتنا پھیلا کہ آج جو پانی پتی قرأت کا لہجہ معروف ہے،یہ اس خاتون کے پڑھائے ہوئے بچوں کا ہی ہے۔آپ ذرا غور کریں تو پانی پتی لہجہ میں نسوانیت کا انداز نظر آتا ہے۔یہ اصل میں حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ کا لہجہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لہجے کو ایسی قبولیت دی کہ آج پوری دنیا میں اس لہجے میں پڑھانے والے قراء دین کی خدمت کر رہے ہیں اور اس کا ثواب اس خاتون کو جا رہا ہے۔

معمولی عمل کی وجہ سے مغفرت:

دارالعلوم دیوبند کے جو پہلے معلم تھے ان کا نام تھا ملا محمود،اور جو پہلے طالب علم تھے ان کا نام تھا محمود حسن،جو بعد میں شیخ الہند بنے۔تو پڑھانے والا بھی محمود اور پڑھنے والا بھی محمود،ملا محمود کی وفات ہوگئی۔کسی کو خواب میں نظر آئے،اس نے پوچھا کہ حضرت! آگے کیا بنا؟ فرمایا:ایک ایسے عمل کی وجہ سے مغفرت ہوگئی جو مجھے یاد بھی نہیں تھا۔اس نے پوچھا: جی کونسا عمل تھا؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ بیوی روٹی پکاتے ہوئے آٹے میں نمک ڈالنا بھول گئی۔میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھا تو محسوس بھی ہوا مگر میں نے جتلانا مناسب نہ سمجھا،برداشت کر لیا کہ آخر انسان ہے،بھول ہو ہی جاتی ہے۔ میرے اس برداشت کے عمل کو اللہ نے قبول کر کے میرے گناہوں کی مغفرت کر دی......اللہ اکبر!!!

ایک بزرگ کی تحمل مزاجی:

ایک بزرگ تھے۔ ان کو بیوی نے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا اور کہتی تھی کہ بس مجھے جدا کر دو۔ کسی قریبی رشتہ دار کو پتہ چلا۔ اس نے آکر کہا کہ حضرت! سنا ہے کہ آپ کی بیوی آپ سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ فرمانے لگے: ہاں میں کیسے غیبت کروں، وہ میری بیوی جو ہے؟ وہ چپ ہو گیا۔ بیوی کے اصرار پر بالآخر انہوں نے اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد وہ رشتہ دار پھر آیا۔ کہنے لگا: سنا ہے کہ آپ نے طلاق دے دی ہے، مجھے اب تو ذرا تفصیل بتا دیں۔ فرمانے لگے: جب وہ میری بیوی تھی، تب تو میں نے اس کی غیبت کرنا گوارا نہیں کی تھی، اب تو وہ میرے لیے اجنبیہ ہو چکی ہے، میں اجنبیہ کی غیبت کیسے کروں؟...... قوت برداشت دیکھیے۔

ایک خاتون کا صبر و تحمل:

حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کی بہن رملہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کی شادی ہو گئی۔ ایک موقع پر خاوند غصے میں آگیا۔ وہ بولتا رہا، بولتا رہا، اور یہ چپ کر کے بیٹھی رہیں، سنتی ہی رہیں۔ خیر، اس نے جو اپنا جلال دکھانا تھا وہ دکھا دیا، کچھ دیر بعد بندہ خود ہی تھک جاتا ہے۔ جب وہ تھک کر چپ ہو گیا اور نارمل ہوا تو بیوی کو اندازہ ہو گیا کہ اب یہ نارمل بات کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خاوند کی طرف مسکرا کر دیکھا، ان کو مسکراتے دیکھ کر خاوند بھی مسکرایا۔ اس کو مسکراتا دیکھ کر فرمانے لگیں: مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ تمہارا علاج مسکراہٹ کی ایک نظر ہے، میں نے تمہارے غصے کو برداشت کر لیا اور میری ایک ہی مسکراہٹ تمہارے کام آگئی۔ جھگڑا ہی ختم ہو گیا...... عورتوں میں بھی ایسی قوت برداشت تھی۔ یہ قوت برداشت تو بہت ضروری ہے، ورنہ انسان دنیا میں بھی کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا۔

شکوے ہی شکوے:

اگر خود بندے کے اندر قوت برداشت نہ ہو تو اسے شکوے ہی شکوے ہوں گے۔

......بیوی ہے تو خاوند سے شکوہ،

......خاوند ہے تو بیوی سے شکوہ،

......باپ ہے تو اولاد سے شکوہ،

......اولاد ہے تو ماں باپ سے شکوہ،

......پڑوسی ہے تو پڑوسی سے شکوہ،

چند دن پہلے ٹیلی فون پر کسی سے بات ہوئی۔ ان کو اللہ نے باہر ملک جانے کی توفیق دی ہوئی ہے...... جب پیٹ بھرا ہو تو پھر مزاج ویسا ہی بن جاتا ہے...... ان کو کچھ دن یہاں پاکستان میں رہنے کا موقع ملا۔ ذرا ذرا سی بات پر کہنے لگا: میں تو یہاں بہت پریشان ہوں، یہ پاکستانی ایسے ہوتے ہیں، ویسے ہوتے ہیں۔ میں نے بات تو ان کی سن لی، لیکن مجھے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا کہ ان کے اندر قوتِ برداشت کتنی ہے...... اللہ نے اگر آپ کو پیٹ بھر کر کھانے کی توفیق دی ہے تو کیا اب سارے پاکستانی ایک جیسے ہو گئے ہیں؟ کوئی ان سے پوچھے کہ آپ کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟ تمہیں بھی اللہ باہر کے رزق کی بجائے یہیں رزق دے دیتا اور ساتھ فاقے دے دیتا تو پھر تمہارا کیا بنتا؟ تم بھی تو یہیں پیدا ہوئے تھے، یہیں پلے بڑھے۔ بات کرنے کا انداز دیکھو کہ جی یہ پاکستانی ایسے ہوتے ہیں۔ انہی پاکستانیوں سے علم پڑھنا ہے۔ انہی پاکستانیوں سے بیعت ہو کر تربیت کروانی ہے اور بات بھی انہی کے خلاف کرنی ہے: جی پاکستانی ایسے ہوتے ہیں۔ جس سے بھی بات کرو اسی سے جھگڑا، یہ بھی پسند نہیں وہ بھی پسند نہیں، اگر سارے ہی آپ کو پسند نہیں تو کیا آپ اللہ کو پسند

ہیں؟ کیا سارے ہی برے ہو گئے، ایک آپ ہی اچھے ہیں دنیا میں؟ بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے بارے میں کچھ سوچے کہ میری حالت کیا ہے؟ اہل اللہ کی یہ پہچان ہوتی ہے کہ ان کو کسی سے شکوہ ہی نہیں ہوتا...... اللہ کی شان...... اللہ نے ان کو کیا ہی ظرف دیا ہوتا ہے۔ آپ ان کی زبان سے کبھی کسی مخالف، کسی حاسد یا کسی دشمن کا تذکرہ تک نہیں سنیں گے۔ اللہ نے ان کو ایسا دل دیا ہوتا ہے۔

آج تقریباً ہر گھر کا معاملہ قوتِ برداشت نہ ہونے کی وجہ سے الجھا ہوا ہے۔ اسی لیے آج خاص طور پر اس کا عنوان بنایا گیا ہے کہ یہ تربیتی اجتماع ہے۔ ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا ہے، ہمیں اپنے دل میں عہد کرنا ہے کہ ہم اپنے اندر قوتِ برداشت پیدا کریں۔ ذرا ذرا سی بات پر جلال دکھانے کی عادت سے آج ہم توبہ کریں۔ اللہ رب العزت کو صبر پسند ہے۔ یاد رکھنا کہ صبر اللہ رب العزت کی مدد کو دعوت دیتا ہے، جو صبر کرتا ہے اللہ اس کا وکیل ہوتا ہے، اللہ اس کا کارساز ہوتا ہے۔ اللہ اس بندے کا مددگار رہتا ہے۔ ہم صبر کر کے اللہ کی مدد کو اپنے پلڑے میں لے لیں۔

خزانوں کی کنجیاں تھامیے:

......جنت کی کنجی۔ لا الہ الا اللہ

......نماز کی کنجی۔ طہارت (وضو)۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ وضو ہو تو نماز پڑھنا آسان ہوتا ہے۔

......نیکی کی کنجی۔ سچ بولنا۔

......علم کی کنجی۔ حسن سوال، اچھے انداز سے سوال کرنا۔

......ولایت کی کنجی۔ ذکرِ کثیر، کثرت سے ذکر کرنا۔

......فلاح کی کنجی۔ تقویٰ

......توفیق کی کنجی۔ گناہ سے پرہیز، جو شخص جتنا گناہوں سے پرہیز کرے گا، اللہ تعالیٰ

اسے اتنے ہی نئے نئے اعمال کی توفیق عطا فرماتے جائیں گے۔

......نعمت کی کنجی ۔شکرادا کرنا،آپ نعمتوں پرشکرادا کریں،اللہ کی نعمتیں اورزیادہ آپ پرآتی چلی جائیں گی۔

......مددِالٰہی کی کنجی ۔صبر،جب بندہ صبر کرتا ہےتواس کے بدلے اسے اللہ تعالیٰ کی مدد ملتی ہے۔

آج آپ یہ سبق یادکرلیں کہ اگرمعاملات میں آپ کے ساتھ زیادتی ہورہی ہو توصبر کرجائیں اوراللہ کی مدد کے مستحق بن جائیں۔یہ چیز ہمیشہ یادرکھیں کہ معاملات جب بھی خراب ہونے لگیں تو آپ سٹرانگ وکٹ سے کھیلیں۔سٹرانگ وکٹ سے کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ صبر کریں، پھراس صبر میں آپ کا کارساز اور مددگارکون ہوگا؟......اللہ۔

ایک نصیحت آموز واقعہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ایک صاحب آئے ان کی کسی بات پہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے رنجش تھی۔انہوں نے سخت باتیں کرنا شروع کردیں۔وہ باتیں کرتے رہے اورصدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی سنتے رہے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنتے رہے۔جب بات بڑھنے لگی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، اپنی طرف سے صفائی پیش کی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جانے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جارہے ہیں؟ فرمایا: ابوبکر! جب یہ شخص تمہارے بارے میں ایسی بات کررہا تھا تو اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا تھا جوتمہاری طرف سے اس بندے کو جواب دے رہا تھا۔جب تم نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ فرشتہ بھی چلا گیا اوراب میں بھی اس مجلس سے اٹھ کرجارہا ہوں......تو بھئی! یہ کتنا آسان طریقہ ہے کہ اللہ رب العزت کو

اپنا مددگار اور کارساز بنالیا جائے، صبر کرلیا جائے کیونکہ اس کا بدلہ اللہ کی مدد کی شکل میں ملتا ہے۔

تحمل مزاجی کا ایک بڑا فائدہ:

تحمل مزاجی کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی ہمیشہ خوش رہتا ہے اور جس میں تحمل مزاجی کم ہو وہ ہر وقت ٹینشن میں رہتا ہے۔ عورت ہے تو

......کبھی خاوند پہ غصہ،

......کبھی بچوں پہ غصہ،

......کبھی ساس پہ غصہ،

......کبھی نندوں پہ غصہ،

......کبھی ہمسائیوں پہ غصہ،

......حتی کہ کبھی اپنی بہنوں پہ غصہ،

اور اگر مرد ہے تو

......کبھی ماتحتوں پہ غصہ،

......کبھی ساتھ والے دوستوں پہ غصہ،

......کبھی بیوی پہ غصہ،

ہر وقت ہی ٹینشن میں۔ تو تحمل مزاجی کا یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ بندہ اس شر بھری دنیا میں بھی خوشیوں بھری زندگی گزارتا ہے۔

ایک انمول موتی:

یاد رکھنا! لوگ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، لوگوں سے وابستہ توقعات تکلیف پہنچاتی ہیں۔ آپ توقع ہی کم رکھیں۔ اگر توقعات قائم کرنی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کریں

جو پوری کر دکھاتا ہے۔ بندوں سے کیا توقعات رکھی جائیں؟ تو خوش رہنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دل بڑا کر لیں۔

گیارہ چیزوں کا قیام گیارہ چیزوں سے:

اسی لیے گیارہ چیزوں سے گیارہ چیزیں قائم رہتی ہیں۔

(۱)......انصاف سے......سلطنت

(۲) پرہیزگاری سے......صحت

(۳) سخاوت سے......دولت

(۴) نیک چلنی سے......عزت

(۵) نیک اولاد سے......راحت

(۶) قلبی صفائی سے......محبت

(۷) سچائی سے......کامیابی

(۸) نفرت سے......دشمنی

(۹) فضول خرچی سے......قرض داری

(۱۰) راست بازی سے......اعتماد

(۱۱) اور تحمل مزاجی سے......خوشی

یعنی تحمل مزاج بندہ پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ پریشانی والے حالات میں بھی آپ ان کے چہرے کھلے ہوئے دیکھیں گے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ...... کالجبال (پہاڑوں کی مانند) ہوتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے اندر تحمل مزاجی پیدا کرنی چاہیے تاکہ ہماری زندگی بھی مسکراہٹوں بھری بن جائے۔ تو یہ گیارہ موتیوں کی ایک لڑی آپ کو دے دی۔

جاہل ان پڑھ کا عفو ودرگزر:

ہمارے قریب کے دیہات کا ایک واقعہ ہے۔ایک نوجوان جس کی تعلیم بھی نہیں تھی اور شکل بھی عام سی تھی۔ یعنی شکل بھی عام سی، عقل بھی عام سی اور تعلیم بھی نہیں تھی۔اس کی ایک خوبصورت کزن تھی۔اس نوجوان نے کہا: میں اپنی اسی کزن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ماں باپ نے بھی ادھر زور دیا۔لڑکی والوں نے لڑکی سے پوچھا تو لڑکی نے تو شروع میں ہاں کر دی۔نکاح ہو گیا۔رخصتی بھی ہوگئی۔لیکن جب وہ آکر اس کے پاس رہی تو اب اسے پتہ چلا کہ یہ تو پکا جاہل ہے۔وہ سوچ میں پڑ گئی کہ نہ عقل ہے نہ شکل ہے، زندگی کیسے گزرے گی؟ چنانچہ اس لڑکی نے دل ہی میں اس نوجوان کو ناپسند کرنا شروع کر دیا۔مگر خاموش رہی۔

شادی کے تین چار دن بعد عام طور پر دلہنیں اپنے ماں باپ کے گھر جاتی ہیں۔ یہ لڑکی بھی گھر گئی۔اس کے دل میں یہ بات تھی کہ اب میں دوبارہ اس گھر میں کبھی نہ آؤں تو زیادہ اچھی بات ہوگی۔مگر اسے ماں باپ کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ ایک تو قریب کا رشتہ تھا اور دوسرا شروع میں ہاں بھی کر چکی تھی۔

دو چار دن بعد خاوند لینے کے لیے آ گیا۔ماں باپ نے کہا کہ بیٹی! تیاری کرو، تمہارا میاں تمہیں لینے آیا ہے، جاؤ اس کے ساتھ۔ چنانچہ اس نے اپنا سامان باندھا اور اس کے ساتھ چل پڑی۔

انہیں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانا تھا۔راستے میں اس نے خاوند سے کہا: مجھے پیاس لگی ہے۔قریب ہی ایک کنواں تھا۔خاوند نے جا کر ایک طرف گٹھڑی رکھی اور کنویں کے ڈول کے ذریعے پانی بھرنے لگا۔بیوی کے دل میں شیطان نے

ایک ایسی بات ڈالی کہ اس نے پیچھے سے اپنے خاوند کو کنویں میں دھکا دے دیا۔ جب دھکا دیا تو خاوند کنویں میں جا گرا۔ اس نے دل میں سوچا کہ اب یہ مر کھپ جائے گا اور ہمیشہ کے لیے اس سے جان چھوٹ جائے گی۔

اب وہ واپس ماں باپ کے گھر چلی گئی اور اس نے ان کے پاس جا کر عورتوں والا مکر کیا۔ عورتیں مکر میں تو مشہور ہوتیں ہیں ﴿وَ جَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾ جیسے اخوان یوسف نے مکر کیا تھا ویسے ہی اس نے بھی مکر کیا۔ وہ روتی ہوئی گھر پہنچی۔ ماں باپ نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ خاوند مجھے بٹھا کر کہیں چلا گیا۔ میں اتنی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ میں اکیلی تھی، مجھے ڈر لگنے لگا، کوئی غیر مرد آ جاتا تو میرا کیا ہوتا؟ مجھے جان کا بھی خطرہ تھا اور عزت کا بھی خطرہ تھا، وہ تو بڑا بے پروا سا آدمی ہے۔ اس لیے میں واپس آ گئی ہوں۔ یہ سن کر ماں باپ کو بھی بڑا غصہ آیا کہ اس نے ہماری بیٹی کو اس طرح لاوارث چھوڑ دیا اور خود کہیں چلا گیا، یہ ایسا بے وقوف انسان ہے۔

اب ادھر کی بات سنیں، جب خاوند پانی میں گرا تو جان بچانے کے لیے اس نے ہاتھ پاؤں مارے تو اس کا ہاتھ اس رسے پر پڑ گیا جس کے ساتھ ڈول بندھے ہوتے تھے۔ اس نے اس رسے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ڈوبنے سے بچ گیا، کافی دیر کے بعد اس نے ہمت کی اور آہستہ آہستہ رسے پر چڑھتے چڑھتے باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر اس نے سوچا کہ میں کیا کروں؟ اس نے دل ہی دل میں کہا کہ مجھے توقع نہیں تھی کہ میری بیوی میرے ساتھ ایسا معاملہ کرے گی، کوئی بات نہیں، میں دوبارہ چلا جاتا ہوں۔

چنانچہ اب وہ دوبارہ سسرال کے گھر آیا۔ اتنے میں کپڑے بھی خشک ہو گئے تھے۔ جیسے ہی وہ سسرال کے گھر میں داخل ہوا تو لڑکی کے والدین نے اس کو بہت جلی کٹی سنائیں۔ کہنے لگے: تو کیسا بے عقل انسان ہے کہ تو ہماری بیٹی کو اکیلے چھوڑ کر چلا

گیا! تو بڑا بے پرواہ ہے، تجھے اس کا ذرا خیال نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا، اس نے خاموشی سے سنا اور آخر میں صرف اتنا کہا کہ ہاں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ بہر حال آپ اپنی بیٹی کو بھیج دیں، ہمیں گھر جانے میں دیر ہو رہی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ بہت شرمندگی کا اظہار کر رہا ہے تو انہوں نے پھر بیٹی سے کہا، کوئی بات نہیں اب تم چلی جاؤ۔

اب بیٹی تو چل پڑی لیکن اس کے دل میں ایک بات بار بار آنے لگی کہ اگرچہ یہ ان پڑھ تھا، اگرچہ یہ بے عقل تھا، شکل اچھی نہیں تھی۔ مگر اس نے میرے ماں باپ کے سامنے میرا عیب تو چھپایا ہے، اس کا دل بڑا ہے نا! اگر یہ میرے ماں باپ کے سامنے میری حرکت کھول دیتا تو میں تو ماں باپ کو چہرہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہتی۔ اس ایک بات پر اس لڑکی کے دل میں خاوند کی ایسی محبت پیدا ہوئی کہ اس نے اپنی بقیہ پوری زندگی اپنے خاوند کی محبت میں گزار دی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحمل مزاجی کی ایک اور مثال:

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں ایک یہودی آیا۔ ذرا دور کے علاقے کا تھا۔ اسے وہیں رات ہوگئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اب تجھے دیر ہوگئی ہے اس لیے آج مہمان کے طور پر یہیں ٹھہر جاؤ۔ وہ ٹھہر گیا۔

رات کو اس کو کھانا دیا گیا، اس نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر اس کو بستر میں سلا دیا گیا۔ رات کو اس کا پیٹ خراب ہوگیا، حتیٰ کہ بستر میں ہی اس کا پاخانہ نکل گیا۔ اس کے کپڑے بھی خراب ہوگئے، جسم بھی خراب ہوگیا اور بستر بھی خراب ہو گیا۔ اسے شرم بھی آئی۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں وہاں سے راتوں رات نکلا اور کہیں جا کر نہایا اور کپڑے دھوئے۔ اس نے وہیں سے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن

پھر اسے خیال آیا کہ میں تو اُٹھ کر آ گیا مگر فلاں چیز وہیں بھول آیا ہوں۔
اب شرم کے مارے اسے واپس تو آنا پڑا کیونکہ وہ چیز وہ چھوڑ نہیں سکتا تھا۔
چنانچہ جب وہ واپس آیا تو فجر ہو چکی تھی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز کے بعد مہمان کا پتہ کرنے گئے تو پتہ چلا کہ مہمان تو غائب ہو چکا ہے۔ اور بستر سے نجاست کی بدبو آ رہی ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ کو نہیں بتایا، بلکہ خود پانی بھر کے لائے اور خود اس نجاست کو صاف فرمانے لگے۔ جب آپ بستر کو صاف فرما رہے تھے تو اس وقت وہ یہودی آیا۔ اس نے جب اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا: میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں، یہ اخلاق واقعی اللہ کے نبی کے ہی ہو سکتے ہیں...... اللہ اکبر کبیرا

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر کہ بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

آج ہم اپنی زندگی پر نظر دوڑائیں، ہم نے اپنی زندگی میں کتنا بے جا غصہ کیا! ہم نے کتنے لوگوں کے دلوں کو تکلیف پہنچائی! ہم جو اتنے گناہ اپنے نامہ اعمال میں لکھوا کر بیٹھے ہیں تو کیا آج ہم اگر اللہ سے نعمتیں مانگیں گے تو بغیر توبہ کے مل جائیں گی؟ ہمیں اپنے ان گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے اور توبہ بھی پکی اور سچی کرنی چاہئے۔ یہ سوچتے ہوئے توبہ کریں کہ اے اللہ! آج ہمارا ملجا و ماویٰ تیرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کا ایک رقت آمیز واقعہ:

بنی اسرائیل کا ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔توجہ سے سنیئے کہ اللہ رب العزت کتنے مہر بان ہیں کہ جب بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو کیسے معاف فرماتے ہیں۔

عن وهب ابن منبه قال

(وہب ابن منبہ فرماتے ہیں) **كان في زمن موسى عليه السلام شاب اثم** (حضرت موسیٰ علیہ کے زمانے میں ایک نوجوان تھا جو بڑا سرکش اور نافرمان تھا) **مسرف على نفسه** (اپنی جان پر بڑی زیادتی کرتا تھا) یعنی گناہ کرتا تھا۔وہ اتنا برا تھا کہ بستی کے لوگ اس سے تنگ آ چکے تھے۔سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ اس نوجوان کو یہاں سے نکال دیا جائے۔۔**فاخرجوه من بينهم لسوء فعله** (ساری بستی والوں نے اس کے برے کاموں کی وجہ سے اسے بستی سے نکال دیا) **فحضرته الوفات في خربةعلى باب البلد** (اس بندے کو شہر کے دروازے پر ویرانے میں موت آ گئی) **فاوحى الله تعالىٰ الى موسى** علیہ السلام (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی)۔**ان وليا من اولياءى حضره الموت** (میرے اولیا میں سے ایک ولی کو موت آ گئی ہے)...... **فاحضره و غسله و صل عليه** (آپ اس کے پاس جائیے،اس کو غسل دیجیے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھیے)...... **وقل لمن كثر عصيا نه** (اور فرمائیے کہ جس بندے کے گناہ بہت زیادہ ہوں)...... **يحضر جنازته لا غفرلهم** (وہ اس کے جنازے میں شامل ہو جائے میں اس بندے کے گناہوں کو معاف کر دوں گا)...... **و احمله الى لا فهم مثواله** (اور اس کو قبر میں دفنا دیجیے،میں اس کے ساتھ اچھا معاملہ کروں گا)...... **فنسادى موسى** علیہ السلام في بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی

اسرائیل میں اعلان کروا دیا)...... فکثر الناس (بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے)...... ہر بندہ چاہتا تھا کہ میرے گناہ معاف ہو جائیں کیونکہ وہ اللہ کے پیغمبر کی زبان سے مغفرت کی خوشخبری سن رہے تھے...... فلماحضروہ عرفوہ (جب لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے اس نوجوان کو پہچان لیا)...... فقالوا یا نبی اللہ (کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی!)...... ھذا ھو الفاسق الذی اخرجناہ (یہ تو وہی فاسق ہے جس کو ہم نے اپنی بستی سے نکال دیا تھا)...... فتعجب موسی من ذلک (حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پر بڑے حیران ہوئے)...... فاوحی اللہ الیہ (اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی)...... صدقوا وھم شھداء (یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں) مگر معاملہ یہ ہے کہ...... انہ لما حضرتہ الوفات فی ھذہ لخربتہ (جب اس بندے کو اس ویرانے میں موت آئی...... نظر یمنۃو یسرۃ (اس نے اپنی دائیں طرف بھی دیکھا اور بائیں طرف بھی دیکھا)...... ولا قریباً (اور کوئی اپنا قریبی نظر نہیں آیا)...... ورای نفسہ غریبۃ (اس نے اپنے نفس کو غریب دیکھا)...... وحیدۃ (اکیلا پایا)...... ذلیلۃ (ذلیل پایا)...... منکسرۃ (دل ٹوٹا ہوا پایا)...... فرفع بصرہ الی السماء (پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی)...... و قال (اور کہا)...... الھی عبد من عبادک (اللہ! تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں)...... غریب من بلادک (شہر سے نکالا گیا ہوں)...... لو علمت ان عذابی یزیدفی ملکک (اگر میں جان کر کہ مجھے عذاب دینے سے آپ کی شاہی میں اضافہ ہو جاتا)...... وعفوک (اور اگر آپ مجھے معاف کر دیں)...... انی ینقصہ من ملکک (اس سے آپ کی بادشاہی میں کوئی کمی آجاتی)...... لما سئلتک المغفرۃ (اللہ! میں آپ سے کبھی مغفرت کا سوال نہ کرتا)...... ولیس لی ملجاء (اور نہیں ہے میری کوئی جائے پناہ)...... ولا رجاء (اور نہیں کوئی میری امید

گاہ)......الا انت (مگر تو ہی تو ہے)......وقد سمعت فیما انزلت انك قلت (میں نے سنا ہے کہ آپ نے یہ آیت نازل کی ہے)...... انـی انـا الـغـفـور الـرحیم (کہ میں بڑا بخشنے والا، بڑا رحیم ہوں)......فلا تخیب رجاء ی (میری امید کو نہ توڑ دینا)

یاموسیٰ (اے موسیٰ علیہ السلام)......افکان یحسن بی ان اردہ (کیا یہ بات مجھے سجتی ہے کہ میں اس کی بات کو رد کر دیتا)......وھو غریب علی الصفة (اور وہ پردیسی تھا، اس حال میں)......وقد توسل الی بی (اور اس نے مجھے میری رحمت کا واسطہ دیا)......وتضرع بین یدی (اور میرے سامنے گڑگڑایا)......وعزتی (مجھے اپنی عزت کی قسم)......لو سئلنی فی المذنبین من اهل الارض جمیعا لوھبتھم له (اگر وہ پوری دنیا کے گناہگاروں کی بخشش کا سوال کرتا تو میں دنیا کے سارے گنہگاروں کی بخشش کر دیتا)...... لـذل غربته یموسی انا الغریب (اے موسیٰ! میں پردیسی کی پناہ گاہ ہوں)......وحجیبه (اور میں ہی اس کا دوست ہوں) وطبیبه (اور میں ہی اس کا طبیب ہوں)......وراحمه (اور میں ہی اس پر رحمت کرنے والا ہوں)

سوچیے کہ اگر ایک نوجوان اپنے آپ کو اس حال میں دیکھتا ہے اور اللہ سے دعا مانگتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی وجہ سے اگر وہ ساری دنیا کے گنہگاروں کی بخشش کا سوال کرتا تو میں ساری دنیا کے گنہگاروں کو بخش دیتا۔ جب وہ اتنا کریم ہے تو کیا اتنے بڑے مجمع میں سے اللہ تعالیٰ ہم میں سے کسی ایک کی بھی فریاد کو قبول نہیں فرمائیں گے۔ کوئی تو ایسا مرد ہوگا، کوئی تو ایسی عورت ہوگی جس کے دل سے دعا نکلے گی اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ باقی سب کے گناہوں کی بھی بخشش فرما دیں گے۔ لہٰذا آج آپ پکی سچی توبہ کر کے پوری زندگی کے گناہوں کو بخشوا لیجیے۔ اللہ تعالیٰ

ہماری بخشش فرمادے۔اور ہمیں آئندہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی زندگی نصیب فرما دے۔(آمین ثم آمین)

واخر دعونا ان الحمدلله رب العٰلمين

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ ۝ ﴾

برکت اور
اسبابِ برکت

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامع مسجد زینب، معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

بتاریخ: 11 اپریل 2007 برموقع: خطبہ جمعۃ المبارک

اقتباس

دینِ اسلام انسانیت کو ایک ایسا طرزِ زندگی دیتا ہے کہ جس میں اسے بے شمار روحانی اور جسمانی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ان فائدوں میں سے ایک فائدہ ''برکت'' بھی ہے۔اہل ایمان برکت سے اپنی جھولی بھر لیتے ہیں۔جبکہ کفار کا دامن اس نعمت سے خالی رہتا ہے، مسلمان نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بابرکت سنتوں کے مطابق کام کر کے نبی علیہ السلام کی نسبت سے برکت حاصل کر لیتے ہیں اور کافر اس نعمت سے محروم ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

برکت اور اسباب برکت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ o ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

برکتوں بھرا طرزِ زندگی:

دینِ اسلام انسانیت کو ایک ایسا طرز زندگی دیتا ہے کہ جس میں اسے بے شمار روحانی اور جسمانی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ان فائدوں میں سے ایک فائدہ ''برکت'' بھی ہے۔اہل ایمان برکت سے اپنی جھولی بھر لیتے ہیں۔جبکہ کفار کا دامن اس نعمت سے خالی رہتا ہے۔مسلمان نبی علیہ السلام کی بابرکت سنتوں کے مطابق کام کر کے نبی علیہ السلام کی نسبت سے برکت حاصل کر لیتے ہیں اور کافر اس نعمت سے محروم ہیں۔

برکت کا صحیح مفہوم:

برکت کا صحیح مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے کہ برکت ہے کیا؟...... یاد رکھیں کہ جس

چیز میں برکت ہوگی، وہ

- ......انسان کی ضرورتوں کے لیے کافی ہوگی۔
- ......پریشانی کو ختم کرے گی۔
- ......عزتوں کا سبب بنے گی۔
- ......دل کو سکون پہنچائے گی۔

زمین میں برکت:

یہ چیز بھی برکت لاتی ہے کہ زمین انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو......ملک شام کی سرزمین کو سرزمینِ انبیاء کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں خصوصی طور پر برکت رکھی ہے......خصوصی برکت سے کیا مراد ہے؟ کہ وہاں پھل اور سبزیاں وغیرہ ہر چیز بہت اچھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں پانچ مقامات پر اس جگہ کی برکت کا تذکرہ ہے۔ مثال کے طور پر:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ ﴾ (بنی اسرائیل: 1)

[پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی وہ مسجد اقصیٰ کے گردونواح میں ہم نے برکت رکھ دی]

دیکھا! اس کے اردگرد میں اللہ نے برکت رکھ دی ہے۔ چونکہ اس سرزمین میں پھل اور سبزیاں بہت اچھی ہوسکتی ہیں اس لیے کفر کی نظر اس زمین پر ہے کہ ہم کس طرح اس پر قبضہ کریں اور اس کو اپنے استعمال میں لے آئیں۔ تو زمین میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے برکت رکھ دی ہے۔ اس لیے کہ یہ زمین انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے۔

بیت اللہ شریف میں برکت:

بیت اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے۔ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾ (العمران:96)

[پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ ہے جو برکت والا ہے اور تمام جہانوں کے لیے ھدایت ہے]

تو یہ گھر برکتوں والا ہے...... برکتوں والے گھر سے کیا مراد؟...... کہ . ے جاتے ہیں اور وہاں سے جو چاہتے ہیں لے کر واپس آتے ہیں۔ ہمارے مرشد عالم ﷫ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حاجیوں کا رش زیادہ ہوا تو بڑا شور مچا کہ اس دفعہ بڑے حاجی آئے ہیں، یہ 1930ء کی بات ہے، جب گنتی کی گئی تو وہ 35000 تھے۔اس وقت پینتیس ہزار حاجیوں کے آنے پر اتنا شور مچا۔اور اس سال حج کے موقع پر اخبار میں خبر آئی کہ چالیس لاکھ لوگ ہوائی جہاز کے ذریعے آئے اور تیس لاکھ لوگ زمینی راستے سے آئے یعنی ستر لاکھ لوگوں کا مجمع تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم کی مثال رحم کی مانند ہے۔جیسے ماں کے رحم میں جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تب بھی وہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور پھر جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا ہے، وہ رحم بھی اس کے لئے کافی رہتا ہے۔حرم کی مثال بھی ایسے ہی ہے کہ جب تھوڑے حاجی ہوتے تھے تو بھی سما جاتے تھے اور اب ستر لاکھ تھے تو وہ بھی سما گئے۔

حج اور عمرہ میں برکت:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا ہے کہ جی مجھے رزق کی تنگی کا سامنا ہے، تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے: تم

نکاح کرلو، یعنی نکاح کرنا رزق بڑھنے کا سبب ہے...... کیوں؟...... اس لیے کہ کنوارہ آدمی صرف اپنا اکیلے کا رزق پاتا ہے اور جب شادی ہو جاتی ہے تو پھر اس کی بیوی کا رزق بھی ملتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ زیادہ نصیب والی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ بخت والی ہو اور اس کے حصے کا زیادہ رزق ملے۔ واقعی ہم نے یہ دیکھا کہ اکیلا ہوتا ہے تو تھوڑا رزق پاتا ہے اور جب شادی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ رزق بڑھا دیتے ہیں۔ پھر جب بچے ہونا شروع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ویسے ہی اس کا رزق بھی بڑھاتے رہتے ہیں، کیونکہ جو آتا ہے اپنا رزق لے کر آتا ہے، اگر وہ شخص کہتا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں نے شادی تو کی ہوئی ہے۔ تو پھر آپ ﷺ ارشاد فرماتے، پھر حج وعمرہ کرو۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ حج وعمرہ کی کثرت انسان کے رزق میں برکت ڈالتی ہے۔

بکریوں میں برکت:

اس برکت کی مثال ذرا یوں سمجھیے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بکری پالو، اس میں برکت رکھ دی گئی ہے۔''

واقعی اللہ تعالیٰ نے بکریوں میں برکت رکھی ہے۔ اس کے بالمقابل آپ ایک کتیا کو دیکھیں۔ کتیا ایک وقت میں کبھی پانچ بچے دیتی ہے، کبھی سات دیتی ہے، اور کبھی نو اور دس تک بھی دیتی ہے۔ جبکہ بکری ایک دو یا زیادہ سے زیادہ تین بچے دیتی ہے ورنہ صرف ایک اور دو بچے۔ اب ذرا غور کیجیے کہ ادھر بکری کے ایک اور دو بچے ہوتے ہیں اور کتیا کے آٹھ سے دس بچے ہوتے ہیں اور پھر دیکھیں کہ بکری روز ذبح ہوتی ہے اور لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس کے باوجود دیکھیں تو آپ کو سینکڑوں کی تعداد میں بکریوں کے ریوڑ چرتے نظر آئیں گے۔ اور کتوں کے ریوڑ کبھی نظر نہیں آئے۔ وہ

پیدا تو آٹھ سے دس ہوتے ہیں مگر مٹ جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں برکت ہی نہیں رکھی اور بکری کے بچے ہوتے تو ایک اور دو ہیں، اور لوگ ان کو ذبح کر کے روز کھاتے ہیں، پھر بھی ریوڑوں کی شکل میں اس لیے نظر آتے ہیں کہ اللہ نے ان میں برکت رکھ دی ہے۔ چنانچہ جن علاقوں میں لوگ بکریاں پالتے ہیں، ہم نے دیکھا ہے کہ ایک ایک آدمی کے پاس دو سو، تین سو، پانچ پانچ سو بکریاں ہوتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بنو کلب نامی ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ جب وہ انہیں باہر نکالتے تھے تو وہ پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیتی تھیں۔

زیتون میں برکت:

قرآن مجید میں زیتون میں بھی برکت بتائی گئی ہے

﴿ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ ﴾ (النور: ۳۵)

اور سائنس کی دنیا کہتی ہے کہ زیتون کے تیل کے اندر انسان کے لیے بڑے فائدے ہیں۔ ساری دنیا میں جو تیل استعمال ہوتے ہیں وہ سب کے سب انسان کی شریانوں کو بند کرتے ہیں اور کولیسٹرول ہائی ہوتا ہے۔ گھی، تیل اور کوکنگ آئل سب اس میں شامل ہیں۔ ان کو اگر انسان کھائے تو دل کی شریانیں بند ہوتی ہیں۔ پوری دنیا کے اندر فقط زیتون کا تیل ہی ایک ایسا تیل ہے، جو بند شریانوں کو بھی کھول دیتا ہے۔ یہ نئی تحقیق سامنے آئی ہے اور اس تحقیق کے بعد کافروں نے زیتون کا استعمال بڑھا دیا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی قسم کھائی ہے۔ وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ اور شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ بھی فرمایا...... لہٰذا اس کے پیچھے کوئی تو حکمت تھی۔ آج چودہ سو سال کے بعد وہ حکمت سامنے آ رہی ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے اس میں کیا حکمت رکھ دی ہے۔

ہمارے ایک دوست ڈاکٹر ہیں۔ وہ کہنے لگے: میرے پاس دل کے سو مریض

آئے، میں نے ان کو سب دوائیاں بند کروا دیں اور ان سے میں نے کہا کہ تم فقط زیتون کا تیل استعمال کرو۔ سالن میں بھی وہی ڈالیں اور اگر پراٹھا بنانا ہو تو وہ بھی زیتون کے تیل کا بناؤ اور چالیس دن مسلسل استعمال کرنے کے بعد دوبارہ چیک کراؤ۔ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ان میں سے چالیس مریضوں کا کولیسٹرول لیول نیچے آچکا تھا۔

مومن کے جھوٹے میں برکت:

اللہ تعالیٰ نے مومن کے جھوٹے میں شفا اور برکت رکھ دی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب آدمی کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو جو سامنے سالن ہوتا ہے اس سالن کے درمیان میں برکت رکھ دی جاتی ہے۔ اس لیے اپنے قریب سے، سامنے سے اور کناروں سے کھانا چاہیے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

كُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

(دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور قریب سے کھاؤ)

درمیان سے نہیں اٹھانا چاہیے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے۔

نبیٔ رحمت ﷺ کے لقمے کی برکت:

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا کھا رہے تھے۔ اس دوران ایک بے باک سی عورت قریب سے گزرنے لگی...... بیباک سے یہ مراد ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ بہت ہی دھڑلے سے بات کر لیتی تھی۔ وہ کسی سے گھبراتی یا ڈرتی نہیں تھی...... چنانچہ وہ عورت جب قریب سے گزرنے لگی تو کہنے لگی: خود کھا رہے ہیں اور مجھے صلح ہی نہیں مارتے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: تم بھی ایک لقمہ کھا لو۔ کہنے لگی: نہیں یہ لقمہ نہیں کھاؤں گی، بلکہ جو لقمہ آپ اپنے منہ میں چبا رہے ہیں میں وہ لقمہ لوں

گی۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اپنے منہ والا لقمہ نکالا اور اس کے پاس پہنچایا۔ کہتے ہیں کہ اس عورت نے جیسے ہی وہ لقمہ اپنے منہ میں لیا، اس پر حیا ایسی غالب آئی کہ اس کے بعد اس کی زندگی کی ترتیب ہی بدل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان والے کے جھوٹے میں بھی برکت ہوتی ہے۔

تحنیک میں برکت:

اسی لیے شریعت مطہرہ نے تحنیک کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی سنت ہے کہ چھوٹے بچے کے منہ میں سب سے پہلے کسی نیک بندے کا جھوٹا جائے۔ اسے تحنیک کہتے ہیں، اس میں بھی برکت ہوتی ہے۔ دین اسلام تو ہمیں برکتوں کے حصول کی تعلیم دیتا ہے۔ کفر کو کیا پتہ، برکت کیا چیز ہوتی ہے؟ ان کی تو ڈکشنری میں اس کا کوئی مترادف لفظ ہی نہیں ہے۔

صحت میں برکت:

اللہ تعالیٰ انسان کی صحت میں بھی برکت ڈالتے ہیں۔ صحت میں برکت سے کیا مراد ہے؟ صحت میں برکت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی صحت میں ایسی برکت دیں کہ اس کو ڈاکٹر اور طبیب کے پاس جانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ مثال کے طور پر:

◉ ...... ہم نے روس میں ایک بوڑھا دیکھا۔ اس کی عمر اسّی سال سے زیادہ تھی۔ وہ کہنے لگا کہ ان اسی سالوں میں میں نے کبھی اپنے ہاتھوں سے دوائی کی گولی اپنے منہ میں نہیں ڈالی۔ یعنی پوری زندگی میں میں نے کبھی کوئی گولی نہیں کھائی۔ یہ صحت کی برکت ہے۔

◉ ...... ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں شوگر کے مریض ہو گئے تھے

......آپ جانتے ہیں کہ شوگر کے مریض کو تھوڑی دیر کے بعد پیشاب کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے......ہم ایک مرتبہ مری میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔اس دن وہاں پورے ملک کے بڑے قرأ آئے ہوئے تھے۔رمضان شریف کی رات تھی۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر کھانا کھایا۔کھانا کھانے کے بعد دوبارہ وضو تازہ کیا اور اس کے بعد مسجد میں تشریف لے آئے۔وہاں پر عشا کی نماز پڑھی، پھر تراویح پڑھی۔تراویح کے بعد قرأت کا سلسلہ شروع ہوا......اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو عاشق قرآن تھے۔وہ قرآن سنتے تھے تو ان پر نشہ طاری ہو جاتا تھا......حضرت وہیں بیٹھے رہے، حتی کہ اتنی دیر گزر گئی کہ وہاں پر مسجد میں سحری کے لیے دستر خوان لگا دیا گیا۔چنانچہ حضرتؒ نے وہیں سحری فرمائی۔سحری کھانے کے بعد عام طور پر بندے کو پیشاب کی ضرورت پیش آتی ہے۔چنانچہ میں نے حضرت سے قریب ہو کر پوچھا: حضرت! کیا آپ کمرے میں تشریف لے جائیں گے؟ پوچھا، کیوں؟ میں نے عرض کیا، جی وضو تازہ کرنے کے لیے۔فرمانے لگے،

''میرا وضو کوئی کچا دھاگا ہے۔''

یہ خود مجھے فرمایا، ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ مغرب کا وضو کیا ہوا تھا، پوری رات گزر گئی، سحری بھی کھالی، اور پھر شوگر کے مریض تھے، اس کے باوجود فرما رہے ہیں کہ میرا وضو کوئی کچا دھاگا ہے۔حضرتؒ نے اسی وضو کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد درس قرآن شروع کر دیا۔جب درس ختم ہوا تو اشراق کا وقت ہو چکا تھا۔چنانچہ حضرت نے اسی وضو کے ساتھ اشراق کے نوافل پڑھے، اشراق کی نماز پڑھنے کے بعد کمرے میں آ کر وضو کیا۔

لوگ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ہم نے اپنی زندگی میں ایک اللہ والے کو مغرب کے وضو سے اشراق

کی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔اور بندہ بھی وہ جو شوگر کا مریض تھا...... یہ کیا چیز تھی؟...... یہ صحت میں برکت ہے۔

ایک دفعہ اس عاجز نے پوچھا: حضرت! آپ کی صحت ایسی ہے کہ ایسی صحت ہم نے کسی کی نہیں دیکھی۔فرمانے لگے: مجھے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے شب قدر عطا فرمائی اور میں نے اس شب قدر میں جو دعائیں مانگیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ یا اللہ! میری زندگی میں برکت ڈال دے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ عمر میں برکت کبھی کبھی تو ایسے ہوتی ہے کہ ساٹھ سال رہنا تھا اور اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا کر اسی سال کر دیتے ہیں۔کئی لوگ ساٹھ سال میں پہنچ کر مریض بن جاتے ہیں۔وہ دوسروں کے محتاج بن جاتے ہیں، اٹھ سکتے ہیں نہ بیٹھ سکتے ہیں، نہ چل سکتے ہیں اور دوسروں کے لیے وبالِ جاں بنے ہوتے ہیں۔چنانچہ فرمایا کہ کبھی کبھی برکت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی صحت دے دیتا ہے کہ موت سے پہلے ان کو کسی کی محتاجی ہی نہیں ہوتی۔

⊙......آج ہم ایک ایسی خاتون کا جنازہ پڑھ کر آئے جو ہمارے خاندان میں سب سے زیادہ عمر کی تھی۔ان کی عمر بیاسی سال تھی۔ان کے بیٹے مجھے بتا رہے تھے کہ اس بیاسی سال کی عمر میں بھی وہ اپنے سارے کام خود کرتی تھی، اسے کسی کی محتاجی نہیں تھی۔یہ عمر میں برکت کہلاتی ہے۔

علم میں برکت:

اللہ تعالیٰ علم میں بھی برکت عطا فرماتے ہیں......علم کی برکت کیا ہوتی ہے؟......علم کی برکت یہ ہے کہ انسان جو پڑھتا ہے اس پر اسے عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔اور جو شاگرد اس سے پڑھتے ہیں وہ اس کے لیے صدقہء جاریہ بن جاتے ہیں یعنی ان کے ذریعے علم آگے جاری ہو جاتا ہے۔جیسے:

⊙ ...... حضرت شیخ الہندؒ۔ کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھا ہو اور اس کے بعد اس نے دین کا کام نہ کیا ہو۔ اگر آج کسی استاد سے کہیں کہ کوئی ایسا شاگرد بتاؤ جس کو آپ نے بنایا ہو، تو پوری زندگی میں کوئی ایک شاگرد بھی پیش نہیں کر سکتے کہ جی اس کو ہم نے بنایا ہے، اس کی زندگی دیکھ لو۔ ہمارا حال دیکھو کہ ہم ایک بندہ بھی پیش نہیں کر سکتے اور ان بزرگوں کی حالت دیکھو کہ جس شخص نے ان سے حدیث پڑھی اللہ نے اسی کو دین کے لیے قبول کر لیا۔

☆ ...... امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کو اللہ نے علم کی یہ برکت عطا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فقہ کو قبولیت بخشی۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے علما کی ایک جماعت تیار کی اور اس سے کہا کہ جا کر دیوارِ چین کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ اس جماعت نے آ کر بتایا ہم جہاں پہنچتے تھے، امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کی فقہ کا نور اس سے بھی آگے پہنچا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قبولیتِ عامہ تامہ عطا فرمائی تھی۔

وقت میں برکت:

اللہ تعالیٰ وقت میں بھی برکت دے دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ وقت میں برکت دیتے ہیں تو انسان تھوڑے وقت میں بھی زیادہ کام کر لیتا ہے۔ جیسے:

⊙ ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدنی زندگی دس سال تھی۔ دس سال تو قوموں کی زندگی میں بہت تھوڑا ٹائم ہوتا ہے۔ ہمارا حال دیکھو کہ ہم نے نعرہ لگایا: پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ...... اور پچاس سال گزرنے کے باوجود ہم فیصلہ نہیں کر سکے کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔ قوموں کی زندگیوں میں پچاس پچاس سال گزر جاتے ہیں اور پتہ ہی نہیں چلتا اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے زندگی کے ان سالوں میں ایسی محنت کی کہ جو انقلاب وہاں سے اٹھا وہ پوری دنیا میں پہنچ گیا۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دنیا میں جو اسلامی انقلاب پیدا کیا اس کی تین خاص

خوبیاں یہ ہیں کہ

......تھوڑے وقت میں۔

......تھوڑے اسباب کے ساتھ۔

......تھوڑے نقصان کے ساتھ۔

پوری دنیا کے اندر ایک تبدیلی پیدا کردی گئی۔ دس سال کا عرصہ کیا چیز ہوتی ہے! اس مختصر سے عرصے میں انقلاب پیدا کردیا۔ اسباب بھی تھوڑے تھے...... کتنے تھوڑے تھے؟ سواری نہیں ہوتی تھی۔ کئی مرتبہ سواری ہوتی تھی تو کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسا لشکر بھیجا جس کے ہر فوجی کو روزانہ ایک کھجور کھانے کو ملتی تھی۔ جب کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے بیٹے کو بتائی تو وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے: اچھا! صرف ایک کھجور کھانے کو ملتی تھی۔ فرمانے لگے، ہاں وہ دن بھی آیا جب ایک کھجور بھی ملنا بند ہوگئی۔

تیسرا پوائنٹ یہ ہے کہ تھوڑے نقصان کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب پیدا ہوا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مسلمانوں اور کافروں کی جو جنگیں ہوئیں ان میں دونوں طرف کے مقتولین (یعنی جو مسلمان شہید ہوئے اور جو کافر قتل ہوئے ان سب) کی تعداد تھی 1069۔ اتنے بندوں کے جانی نقصان کے ساتھ یہ انقلاب پوری دنیا میں پھیل گیا۔ جبکہ آج تو امن کے زمانے میں ہزار بندے مرجاتے ہیں۔ جنگوں کی تو بات ہی نہیں ہوتی۔ تو گویا اتنے تھوڑے عرصے میں، اتنے تھوڑے وسائل کے ساتھ اور اتنے کم نقصان کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب پیدا کردینا، یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی شان ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں اتنی برکت ڈال دی تھی۔

⊙ ......ایک محدث تھے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی زندگی کے دنوں کو ان کی

کتابوں کے صفحات پر تقسیم کیا گیا تو روزانہ کے چالیس صفحے بنے۔ آج ہم کسی کتاب کے چالیس صفحے پڑھ نہیں سکتے اور انہوں نے روزانہ چالیس صفحے نئی کتاب کے لکھے۔ اگر پہلے پندرہ بیس سال جو علم حاصل کرنے کے ہیں وہ نکال دیے جائیں تو پھر یہ اوسط چالیس سے بھی اوپر چلی جائے گی۔ روزانہ نئی کتاب کے چالیس سے زیادہ صفحات لکھ دینا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ وقت میں برکت دیتے ہیں تو تھوڑے وقت میں بندے کے زیادہ کام نکل آتے ہیں۔

⊙......حضرت اقدس تھانویؒ نے اپنی زندگی میں 2800 کتابیں لکھیں۔ تفسیر بھی لکھی۔ حدیث پر بھی کتابیں لکھیں، فقہ پر بھی لکھیں، تصوف پر بھی لکھیں، دین کا کونسا شعبہ ہے جس میں انہوں نے کام نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں برکت عطا فرمادی تھی۔

قوتِ حافظہ میں برکت:

اللہ تعالیٰ کبھی کبھی انسان کی قوت حافظہ میں بھی برکت عطا فرمادیتے ہیں۔ قوت حافظہ میں برکت یہ ہے کہ انسان ایک بات سنتا ہے تو وہ...... اَلنَّقْشُ کَالْحَجَرْ (پتھر پر لکیر کی مانند)...... ہو جاتی ہے۔

⊙......علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ مخالفین نے عدالت میں ایک ایسی عبارت پیش کی جس کا مطلب ان کے اپنے حق میں بنتا تھا اور اہل حق کے خلاف بنتا تھا۔ بہت سے علما نے وہ عبارت دیکھی تو حیران ہوئے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ کتاب بھی ٹھیک ہے اور اس میں لکھا ہوا بھی ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ عبارت حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو دکھائی جائے۔ جب ان کو وہ عبارت دکھائی گئی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ لکھنے والے کاتب کو غلطی ہوئی ہے، اس نے کتاب لکھتے ہوئے پوری ایک سطر درمیان میں سے غائب کردی ہے، اور جب

پچھلی عبارت اگلی عبارت سے ملی تو مفہوم بدل گیا، لہٰذا اصل کتاب لائی جائے۔ چنانچہ جب اصل کتاب لائی گئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بات سو فیصد صحیح نکلی۔ اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے ستائیس سال پہلے یہ عبارت پڑھی تھی۔

⊙ ......حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے برسات کے موسم کے ختم ہونے پر سوچا کہ میں اپنی کتابوں کو ٹھیک کرلوں۔ چنانچہ ایک طالب علم سے فرمایا کہ ان کو اندر سے نکالو اور باہر دھوپ لگواؤ تا کہ نمی ختم ہو جائے اور اگر کسی کتاب کی جلد خراب ہے تو دوبارہ جلد بنا کر اندر رکھ دو۔ اس طالب نے کتابیں باہر نکالیں۔ ان میں سے وہ ایک کتاب لے کر حضرت کے پاس آیا اور کہا: حضرت! اس کتاب کو دیمک لگ چکی ہے، اور کچھ ابتدائی صفحے خراب ہو چکے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اس کے ساتھ نئے ورق جوڑ دو اور عبارت لکھ دو۔ اس نے کہا: حضرت! مجھے عبارت تو یاد نہیں۔ پوچھا: کونسی کتاب ہے؟ عرض کیا: میبذی۔ حضرت نے پوچھا: آخری لفظ کونسا ہے؟ اس نے آخری لفظ بتایا۔ پھر حضرت نے اپنی یاداشت سے دو تین صفحات کی عبارت لکھوا کر کتاب کو مکمل کروا دیا۔

⊙ ......حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد تھے مولانا غلام رسول پونٹوی رحمہ اللہ۔ ملتان سے آگے ایک علاقہ پونٹہ ہے۔ حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔ انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کی اور دعائیں بھی لیں۔ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قوت حافظہ عطا فرمائی کہ اپنے بیان میں فرماتے تھے کہ اگر ساری دنیا سے شرح جامی کو ضبط کرلیا جائے، ختم کر دیا جائے اور کوئی طالب علم میرے پاس آ کر کہے کہ حضرت! شرح جامی کی ضرورت ہے، تو میں اپنی قوت حافظہ سے یہ کتاب کو دوبارہ لکھوا سکتا ہوں۔

⊙ ......حضرت ابو ذرعہ رحمہ اللہ ایک محدث گزرے ہیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ

حضرت! کیا آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں؟ تو فرمایا: مجھے ایک لاکھ حدیثیں اس طرح یاد ہیں جیسے عام لوگوں کو سورہ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی غیر معمولی قوت حافظہ دی ہوئی تھی۔

رزق میں برکت:

اللہ تعالیٰ انسان کے رزق میں بھی برکت عطا فرما دیتے ہیں......رزق میں برکت سے کیا مراد ہے؟......کہ بندے کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اس کی ضرورت کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ہم نے کئی لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پانچ سات بچے ہوتے ہیں، چھ سات ہزار تنخواہ ہوتی ہے۔ اور انہوں نے کسی کا تھوڑا سا بھی قرضہ نہیں دینا ہوتا۔ ان کا رزق ان کی ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں بھی سن لیجیے۔

◉ ......حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بہت ہی بھوکا تھا۔ لہٰذا عشا کی نماز پڑھنے کے بعد راستے میں ہی بیٹھ گیا۔ خیال یہ تھا کہ صحابہ گھر جاتے ہوئے دیکھ کر کہیں گے کہ چلو ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے انہوں نے سلام کیا اور چلے گئے، میں نے سوچا کہ ان کے گھر میں بھی کچھ نہیں ہوگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی آئے، سلام کیا اور چلے گئے۔ میں نے سوچا، لگتا ہے کہ ان کے ہاں بھی فاقہ ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر پیغام بھجوایا کہ اگر گھر میں کچھ ہے تو بھجواؤ۔ انہوں نے کہا: دودھ کا ایک پیالہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ دودھ کا ایک پیالہ ایک بندے کے لیے تو کافی ہو ہی جائے گا۔

جب دودھ کا پیالہ آیا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے فرمایا، ابوھریرہ! جاؤ اور اصحاب صفہ کو بلا کر لاؤ۔ ان کی تعداد ماشاء اللہ ستر تھی۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ جو

دوسروں کو بلانے جاتا ہے تو وہ پہلے دوسروں کو پلاتا ہے اور آخر میں اس کی باری آتی ہے۔ یہ دودھ کا پیالہ تو ختم ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ جب میں واپس آیا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، ابوھریرہ! یہ ان سب کو پلاؤ! میں نے دودھ پلانا شروع کیا۔ ہر بندہ اس پیالے میں سے پیتا رہا اور پیٹ بھرتا رہا، ستر بندوں نے دودھ پیا اور دودھ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ آخر میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے فرمایا: اب تو پی! کہتے ہیں کہ میں نے خوب جی بھر کر پیا اور دودھ اتنا ہی رہا۔ نبی علیہ الصلوۃ و السلام مسکرائے اور فرمایا، ابوھریرہ! اور پیو! میں نے اور پیا، دودھ ویسے کا ویسا۔ اس کے بعد اللہ کے محبوب ﷺ نے خود نوش فرمایا۔

⊙ ..... غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بکری کا بچہ ذبح کرایا اور سالن بنا دیا۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ تشریف لائیے، کچھ کھانا کھا لیجیے۔ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو بتایا کہ تو نبی علیہ السلام نے سب لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ چلو، آج جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں دعوت ہے۔ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو اپنے گھر کی طرف بھاگے اور بیوی سے آ کر کہا کہ وہ تو پورا لشکر آ رہا ہے۔ ان کی بیوی نے پوچھا، کیا آپ نے لشکر کو دعوت دی ہے یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت دی ہے؟ کہنے لگے: میں نے نہیں دی، میں نے تو صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت دی تھی۔ آگے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پورے لشکر کو دعوت دی۔ وہ کہنے لگی کہ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود دعوت دی ہے تو پھر ہمیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جب نبی اکرم ﷺ صحابہ علیہم الرضوان کے ہمراہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے وہ سالن نکال کر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ پورے لشکر نے کھانا کھایا اور ابھی ان کا سالن

بھی بچا ہوا تھا۔ اس کو رزق کی برکت کہتے ہیں۔ اور جب رزق میں سے برکت نکل جاتی ہے تو بندہ لاکھوں کماتا ہے اور خرچ ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

⊙ ..... ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں خواجہ عبدالمالک ؒ چوک قریشی والے۔ وہ ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھ کر مجھے فرمانے لگے کہ میں اس وقت نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھا ہوں اور باوضو ہوں اور اللہ کے گھر میں بیٹھ کر آپ کو ایک بات سنا رہا ہوں جو کہ سو فیصد سچی ہے۔ چونکہ ان بزرگوں نے مجھے ڈائریکٹ یہ بات سنائی اس لیے میں پورے اطمینان کے ساتھ آپ کے سامنے وہ بات نقل کر رہا ہوں۔ فرمانے لگے کہ میں سارا دن ذکر اذکار میں مشغول رہتا تھا اور دعائیں مانگتا تھا کہ اللہ! مجھے رزق دے دے، برکت دے دے، اور اپنے شیخ سے کہتا تھا کہ آپ دعائیں کریں۔ ایک دفعہ میرے شیخ نے تقریباً بیس کلوگرام گندم کا ایک گٹو مجھے بھیجا اور ساتھ ایک چٹ بھیجی۔ اس چٹ پر لکھا ہوا تھا ﴿ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ اور فرمایا کہ یہ گندم کسی برتن میں ڈال دو اور اس کا ڈھکنا بند کر دو، پھر اس میں سے نکال کر تم اسے استعمال کرتے رہنا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ آج اس واقعہ کو چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزر رہا ہے، میں اپنے گھر میں اس گندم کو آج بھی استعمال کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا کہ اس وقت میرے گھر میں دو سو، تین سو مہمان روزانہ ہوتے ہیں، وہ بھی یہی کھاتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ سال میں جب اجتماع میں ہزاروں لوگ آتے ہیں تو وہ بھی یہی گندم کھاتے ہیں۔

⊙ ..... ایک مرتبہ میرے پاس ایک جنرل منیجر صاحب آئے۔ وہ دو ٹیکسٹائل ملوں کے منیجروں کے اوپر جنرل منیجر تھے۔ اس وقت ان کی تنخواہ ایک لاکھ روپیہ ماہانہ تھی، یہ اس زمانے کی بات ہے جب ڈالر کا ریٹ اٹھارہ روپے تھا، آج تو ڈالر کا ریٹ ساٹھ روپے ہے۔ اس وقت انجینئر کی تنخواہ بھی دو تین ہزار ہوتی تھی۔ ماہانہ تنخواہ ایک لاکھ

روپیہ تھی اور گھر میں کل پانچ بندے تھے، دو میاں بیوی اور تین بچے۔ بڑا بچہ بارہ سال کا، دوسرا دس سال کا اور تیسرا آٹھ سال کا۔ پھر کہنے لگے کہ مل مالک نے دو تین گاڑیاں بھی دی ہوئی ہیں...... پٹرول بھی فری ہے...... ڈرائیور بھی دیا ہوا ہے...... کک بھی ملا ہوا ہے...... سیکورٹی گارڈ بھی دیئے ہوئے ہیں...... میری تنخواہ کا ٹیکس بھی مالک ادا کرتا ہے...... بجلی اور ٹیلیفون کا بل بھی وہی ادا کرتا ہے...... میں ایک لاکھ روپیہ اپنے گھر لے کے آتا ہوں۔

میں نے پوچھا کہ پھر آپ کا مسئلہ کیا ہے؟ یہ سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگے: میرے خرچے پورے نہیں ہوتے...... اب ذرا سوچیں کہ ایک لاکھ روپیہ تنخواہ تھی اور تین بچے تھے، اور کہتے تھے کہ میرے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ میں تو حیران ہی ہو گیا!!

پھر میں نے اپنی معلومات کے لیے ان سے پوچھا، جی آپ کا یہ مسئلہ کیسے بنتا ہے؟ اس نے کہا: میں نے ڈیفنس لاہور میں کوٹھی کے لیے پلاٹ خریدا۔ اس کی قیمت 65 لاکھ روپے تھی۔ جب تعمیر شروع کی تو ایک اور بندہ آ کر کہنے لگا کہ یہ تو میرا پلاٹ ہے۔ پتہ چلا کہ جس نے وہ پلاٹ بیچا تھا اس نے وہی پلاٹ کسی اور کو بھی بیچ دیا تھا۔ یوں میرے ساتھ دھوکا ہوا اور میرے 65 لاکھ روپے چلے گئے...... پھر دوبارہ ایک جگہ پلاٹ خریدا۔ تعمیر کرنے کے لیے نقشہ بنوایا اور ایک ٹھیکیدار کو بلوایا۔ ٹھیکیدار نے کہا کہ جی مجھے دس پندرہ لاکھ روپے ایڈوانس دیں، میں یہ لاؤں گا اور وہ لاؤں گا۔ چنانچہ اس نے پیسے لے کر کام شروع کیا۔ اس کے دوران ہی اس کو کوئی اچھا کام مل گیا اور وہ سامان لے کر وہاں چلا گیا۔ یوں میرے پندرہ لاکھ چلے گئے...... ایک مرتبہ میری بیوی نے کہا: مجھے تو فلاں گاڑی جو 45 لاکھ کی ہے وہ پسند ہے، مجھے وہ لے کر دو۔ میں نے وہ لے کر دی، ابھی اس کی نمبر پلیٹ نہیں لگی تھی کہ میں شہر میں کسی کام

کے لئے بینک میں گیا۔ گاڑی کو کھڑا کر کے اندر گیا اور جب باہر آیا تو پتہ چلا کہ کوئی گاڑی تیزی سے آ رہی تھی، ڈرائیور کے ہاتھ سے بے قابو ہوئی اور اس نے ڈائریکٹ میری گاڑی میں آ کر گاڑی ماری اور میری گاڑی ٹوٹل زیرو ہو گئی۔ وہ 45 لاکھ بھی چلے گئے۔

میں نے ساری روداد سن کر انہیں کہا کہ اصل مسئلہ رزق کی کمی کا نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے رزق میں برکت نہیں ہے۔ جب تک برکت نہیں ہوگی آپ کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ کہنے لگے، برکت کیسے آئے گی؟ میں نے کہا، نیکی اور تقویٰ سے...... خیر، اللہ نے مہربانی فرمادی۔ وہ سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے اپنی زندگی کو بدلا، نیک نمازی بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی میں خوشیاں عطا فرمادیں۔ یوں اس کی زندگی میں بھی برکت پیدا ہو گئی۔

☆...... ہمارے ہاں یہیں جھنگ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ اس میں ایک ایسی عورت تھی جس کو حاتم طائی کی بہن کہا جاتا تھا۔ وہ بڑی سخیہ عورت تھی۔ اس کی یہ عادت تھی کہ اگر اس کے دروازے پر کوئی فقیر یا مسکین آجاتا تو وہ اسے خالی نہیں جانے دیتی تھی، وہ اسی گاؤں کے نمبردار کی بیوی تھی، گویا ذی حیثیت بھی تھی۔

یہ گاؤں سڑک کے بالکل کنارے پر نہیں بلکہ مین روڈ سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ اندر کے دیہاتوں کے لوگ آٹھ دس کلومیٹر سے چل کے آتے، سڑک کے کنارے پہنچتے اور یہاں سے گاڑی پر بیٹھ کر شہر جاتے تھے۔ کئی دفعہ گاڑی چلی جاتی تو ان لوگوں کو رات وہیں گزارنی پڑ جاتی تھی اور سڑک کے کنارے پر کوئی انتظام بھی نہیں تھا۔ کئی دفعہ واپس آنے والے لوگ اس بات سے پریشان ہوتے تھے کہ رات دیر ہو جاتی تھی اور بیوی بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے اور وہ ویرانے میں سفر کر کے گاؤں میں پہنچنے سے گھبراتے تھے۔ چنانچہ وہ بھی وہیں سڑک پر ہی ٹھہر جاتے

تھے۔ جبکہ وہاں کسی قسم کا انتظام بھی نہیں ہوتا تھا۔

اس عورت کے دل میں خیال آیا کہ میں وہاں کوئی ایسا انتظام کر دیتی ہوں کہ لوگوں کو کوئی مشکل نہ ہو۔ چنانچہ اس نے وہاں ایک کمرہ بنوادیا۔ اس سے لوگوں کو آسانی ہوگئی۔ پھر اس نے وہاں پانی کا بندوبست بھی کروادیا۔ اس سے ان کے لیے اور بھی آسانی ہوگئی۔ پھر اس نے وہاں لسی بھی پہنچانی شروع کر دی جس سے اور بھی آسانی ہوگئی۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ لوگ بے چارے بھوکے ہوتے ہیں، چلو ان کے لیے کچھ دال روٹی کا ہی انتظام کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے وہاں لنگر شروع کروادیا اس سے لوگوں کے لئے اور زیادہ آسانی ہوگئی۔ اب کئی مفت خورے لوگ پلاننگ ہی ایسے کرتے کہ ہم شہر سے چلیں گے، رات کو وہیں ٹھہریں گے۔ کھانا بھی کھائیں گے اور صبح آگے جائیں گے۔ چنانچہ کبھی بیس، کبھی تیس اور کبھی پچاس مہمان روزانہ ہوتے تھے۔ بہر حال ایک خیر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کچھ لوگ ضرورت سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ حفاظت فرمائے۔ گاؤں کا ایسا ہی ایک آدمی اس عورت کے خاوند کو ملا اور اسے کہنے لگا: لگتا ہے کہ تمہارے پاس مفت کا مال ہے، کیا درخت سے پیسے توڑ کر لاتے ہو میاں! اور کہیں خرچ نہیں ہوتے تو ہمیں دو، ہم خرچ کر کے دکھاتے ہیں۔ اس نے پوچھا، بھئی! کیا بات ہے، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کہنے لگا، تمہاری بیوی نے جو یہ لنگر شروع کروایا ہوا ہے، یہاں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں، مفت خورے پڑے رہتے ہیں اور کھانا کھاتے رہتے ہیں۔ لگتا ہے کہ تمہیں کہیں سے مفت کا مال ہی ہاتھ آیا ہوا ہے۔ اس نے کچھ ایسی زہریلی باتیں کیں کہ اس نمبردار نے وہ لنگر بند کروادیا۔

جب لنگر بند ہوا تو وہ خاتون بہت غمزدہ ہوئی، لیکن وہ بڑی سمجھدار تھی، وہ خاموش رہی اور خاوند سے بات تک نہ کی۔ تاہم وہ بات کرنے کے لیے کسی مناسب موقع کی

تلاش میں تھی۔دو تین دن کے بعد خاوند نے بیوی سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تم مجھے بہت بجھی بجھی لگ رہی ہو۔ کہنے لگی: ہاں، بس ایسے ہی ذرا پریشانی ہے۔اس نے کہا: چلو میں تمہیں اپنے رقبے پر لے جاتا ہوں، وہاں باغات بھی ہیں،کھیت بھی ہیں،وہاں تم چلو پھرو گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ رقبہ میں چلی گئی۔

وہاں جا کر اس نے تھوڑی دیر کے لیے ادھر ادھر گھوم کر وقت گزارا۔ پھر کنویں کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔اس نے چلتے ہوئے کنویں کے اندر دیکھنا شروع کر دیا۔خاوند نے کہا: اب رات ہونے والی ہے،چلو گھر واپس چلتے ہیں۔ کہنے لگی: ہاں ابھی چلتے ہیں۔اس نے پھر پوچھا: تم یہاں بیٹھی کیا دیکھ رہی ہو؟ کہنے لگی: بس ایسے ہی کنویں کو دیکھ رہی ہوں۔اس نے پوچھا: بتاؤ تو سہی آخر کیا دیکھ رہی ہو؟ وہ کہنے لگی: میں دیکھ یہ رہی ہوں کہ اس کنویں کے اندر خالی ڈول جا رہے ہیں اور سب کے سب پانی سے بھر کے واپس آ رہے ہیں اور نیچے پانی جیسے تھا وہ ویسا ہی ہے، ختم ہی نہیں ہو رہا۔اب خاوند نے کہا: اللہ کی بندی! یہ تو سارا دن اور ساری رات بھی کنواں چلتا رہے تو کنویں کا پانی نہ تو کم ہوتا ہے اور نہ ہی ختم ہوتا ہے۔اس نے کہا: اچھا! ایسے ہی ہوتا ہے؟ خاوند نے کہا: ہاں یہ تو کنواں ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے، کنویں کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ جب خاوند نے یہ کہا: تب بیوی نے آگے سے جواب دیا: اچھا! اگر کنوؤں کا پانی ختم نہیں ہوتا تو ایک کنواں اللہ نے ہمارے گھر میں بھی تو جاری کر دیا تھا، وہ لنگر خانہ بھی تو ایک کنواں ہی تھا، تمہیں کیوں اس کے بارے میں ڈر ہوا کہ لوگ آ آ کر کھا رہے ہیں ا ، ہمارا رزق ختم ہو جائے گا۔لو جی خاوند کی سمجھ میں بات آ گئی اور اس نے دوبارہ وہ لنگر جاری کروا دیا۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ جب تک وہ نیک بندی زندہ رہی اس کا لنگر لوگوں کے لیے چلتا رہا۔

برکت کے اسباب

اب ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ برکت کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے کئی اسباب ہیں۔

☆......تقویٰ:

تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کی صحت میں، رزق میں، عزت میں، اولاد میں، دین میں، غرض ہر چیز میں برکت عطا فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (الاعراف: ۹۷)

"اگر یہ بستی دیسوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیتے"

تو جو بندہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں برکت دے دیتے ہیں۔ یہ قرآنی فیصلہ ہے اور کائنات کی یہ صداقت ہے، یہ پکی سچی اور ٹھوس بات ہے کہ جو بندہ بھی تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں برکت عطا فرمادیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں کو کبھی رزق کی پریشانی نہیں ہوتی۔ مثلاً:

☆...... ہمارے ایک دوست تھے۔ وہ کہنے لگے کہ میں ایک اللہ والے کے پاس بیٹے کی دعا کروانے کے لیے گیا اور اللہ نے مجھے ان کی دعا سے بیٹا دے بھی دیا۔ پھر میں نے ان کی خدمت میں ایک روپیہ بطور ہدیہ پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت! آپ کا لنگر چلتا ہے، لوگ آکر کھاتے پیتے ہیں اور مہمان نوازی کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا آپ یہ قبول کر لیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میرا ایک مکتبہ ہے، میں اس میں

کتابوں کا کچھ کام کرتا ہوں اور مجھے وہاں سے مہینے میں پچیس روپے بچتے ہیں اور میرے وہ پچیس روپے ختم ہی نہیں ہوتے، واقعی ایسی ہی بات ہے کہ اللہ والوں کے پچیس روپے ختم ہی نہیں ہوتے۔

☆.....جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ حضرت! حج کا ارادہ ہے مگر وسائل نہیں ہیں، دعا فرما دیجیے۔ حضرت نے دعا بھی فرمائی اور فرمایا کہ یہ چونی لے جاؤ، جو خرچ ہو، کر لینا اور باقی واپس کر دینا۔ وہ جیب میں چونی ڈال کر حج کرنے کے لیے گاؤں سے باہر نکلا، اس کی نظر ایک قافلے پر پڑی۔ جب وہ قافلہ قریب سے گزرنے لگا تو قافلے والوں نے پوچھا: کیا حال ہے؟ ہم حج پر جا رہے ہیں۔ اس نے کہا: حج کے لیے جانے کا ارادہ تو میرا بھی ہے۔ قافلے والوں نے جب یہ سنا تو انہوں نے کہا: اچھا! ہمارے ایک ساتھی بھی حج پر جانے والے تھے وہ آنہیں سکے۔ اس لیے ہمارے پاس ایک اونٹ خالی ہے، آؤ! ہمارے ساتھ ہی چلو، ہم تمہیں سواری کے لیے اونٹ بھی دیتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہی کھانا کھانا۔ چنانچہ وہ مہمان بن کر ان کے ساتھ گیا اور حج کر لیا۔ واپسی پر ایک اور قافلہ مل گیا، اس قافلے والوں نے کہا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک آدمی حج کے موقع پر فوت ہو گیا ہے، اس کا اونٹ خالی ہے۔ آؤ! ہم تمہیں واپس پہنچا دیتے ہیں، ہمیں بھی وہیں جانا ہے۔ چنانچہ اس قافلے والوں نے اسے اس کے گاؤں پہنچا دیا۔ حج سے واپسی پر وہ حضرت کے پاس پہنچا۔ حضرت نے پوچھا: سناؤ بھئی! کیسے رہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! میرا حج تو مفت میں ہی ہو گیا ہے اور مجھے وہ چونی کہیں خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اچھا! پھر میری چونی واپس کر دو۔

☆.....قرب قیامت میں ایک ایسا وقت آئے گا کہ پوری دنیا میں ایمان والے ہوں گے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ اتنی برکت دیں گے کہ ایک گائے

کا دودھ پورے خاندان کے لیے کافی ہو جایا کرے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق میں برکت دے دیتے ہیں۔

(2)......ذکرِ الٰہی:

اللہ کی ذات میں بھی برکت ہے اور اللہ کے نام میں بھی برکت ہے۔اللہ کی ذات میں برکت کیسے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِی بِیَدِهِ الْمُلْكُ ﴾ (الملك: 1)

''برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک''

اللہ کا نام بھی برکت والا ہے......وہ کیسے؟......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ (الرحمن :78)

'' برکت والا نام ہے تیرے رب کا ''

چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی برکت والی ہے اور اس کا نام بھی برکت والا ہے، لہٰذا جو بندہ ہر اچھا کام کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا عادی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔ بلکہ مفسرین نے لکھا ہے کہ عربی میں ''اسم'' کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اس کا ایک معنی ''نام'' ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ۔'' اور اس کا ایک معنی ''برکت'' بھی ہے۔ اس طرح بسم اللہ کا ترجمہ یوں بنے گا ''شروع کرتا ہوں اللہ کی برکت کے ساتھ''۔ چنانچہ ہماری چھوٹی عمر میں جو بڑی بوڑھی عورتیں ہوتی تھیں وہ اٹھتے بیٹھتے کہا کرتی تھیں ''اللہ دی برکت نال، اللہ دی برکت نال'' اب ہمیں خیال آتا ہے کہ واقعی کسی نے بڑا اچھا سبق پڑھایا تھا۔ بہر حال، جو بندہ ذکر کرنے کا عادی ہو یا ہر اچھے کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا عادی ہو، اللہ تعالیٰ اس بندے کے کاموں میں برکت

عطا فرما دیتے ہیں۔

(3)......دعا بدرگاہ خدا:

برکت کے نزول کا تیسرا سبب ''دعا بدرگاہ خدا'' ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ دعا مانگتا ہے تو دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ برکتیں عطا فرما دیتے ہیں۔ جیسے:

☆......حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے چیزیں یاد نہیں رہتی تھیں، میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی دعا دی کہ اس کے بعد اتنی چیزیں یاد رہتی تھیں کہ صحابہ ءکرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے یہی صحابی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی برکت عطا فرما دی۔

☆......حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا دی کہ اللہ آپ کی عمر میں، رزق میں اور اولاد میں برکت عطا فرمادے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تینوں چیزوں میں اتنی برکت عطا کی کہ ایک سو چالیس (140) پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، میں نے اپنی زندگی میں خود دیکھے۔ اللہ نے اولاد میں اتنی برکت دی۔

اور اللہ نے رزق میں اتنی برکت عطا کی کہ میں سونے کی اینٹ کو لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے کے ساتھ توڑا کرتا تھا۔ اب آپ بتائیں جو سونا کلہاڑے کے ساتھ توڑا جاتا تھا وہ کیا چند تولے ہوتا تھا؟ اللہ نے ان کو اتنا رزق دیا......

اور عمر میں بھی یہ برکت دی کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ تو نبی علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں، رزق میں اور عمر میں اتنی برکت عطا فرما دی۔

(4)......معیتِ اکابر:

برکت کے حصول کا چوتھا سبب ''اپنے بڑوں کے ساتھ رہنا'' ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْبَرَکَةُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ

(تمہارے لیے برکت، اپنے بڑوں کے ساتھ رہنے میں ہے)

انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک پہلو دنیا کا ہے۔ لہٰذا دنیا کے معاملات میں جو بندہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے اور ان کی دعائیں لے، اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت دے دیتے ہیں۔ دوسرا پہلو دین کا ہے۔ لہٰذا دینی معاملات میں جو بندہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کی خدمت کرے اور اس سے دعائیں لے، اللہ تعالیٰ اس کے دین میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان والدین کی خدمت کرنے کا بڑا شوقین تھا۔ اس نے اپنے دوسرے بھائیوں سے کہا کہ ساری جائیداد تم آپس میں تقسیم کر لینا اور ماں باپ کی خدمت میرے سپرد کر دینا۔ بھائی کہنے لگے کہ بہت اچھا! چنانچہ یہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرتا رہا۔ ماں اسے دعائیں دیتی تھی کہ اللہ تیرے رزق میں برکت دے۔ ایک دن وہ بھی آیا جب اس کے ماں باپ فوت ہو گئے۔

ایک رات اس نے ایک خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں پتھر کے نیچے سو دینار پڑے ہوئے ہیں تم جا کر اٹھا لو۔ چونکہ یہ ماں باپ سے برکت کا لفظ سنتا رہتا تھا اس لیے اس نے کہنے والے سے پوچھا: کیا ان میں برکت ہوگی؟ اس نے کہا: برکت تو نہیں ہوگی۔ کہنے لگا: میں نہیں لیتا۔ اس نے صبح اٹھ کر بیوی کو بتایا۔ بیوی نے کہا کہ اٹھا لو، کیا فرق پڑتا ہے۔ اس نے کہا: نہیں جب برکت ہی نہیں ہوگی تو میں

کیوں لوں؟ پھر دوسری رات بھی خواب آیا اور بتایا گیا کہ فلاں پتھر کے نیچے دس دینار پڑے ہیں، لینے ہیں تو جاؤ لے لو۔ پوچھا کہ کیا ان میں برکت ہوگی؟ جواب ملا کہ ان میں برکت نہیں ہوگی۔ پھر اٹھ کر بیوی کو بتایا تو وہ کہنے لگی کہ اب تو اٹھا لو۔ وہ کہنے لگا کہ نہیں اٹھاتا۔ وہ پھر کہنے لگی، اگر اٹھاتے نہیں تو جا کر دیکھ تو لو کہ پڑے بھی ہیں یا نہیں۔ اس نے کہا، میں نے دیکھنا بھی نہیں۔ تیسری رات پھر خواب آیا اور کسی نے کہا، اب صرف ایک دینار باقی بچ گیا ہے، جاؤ اور وہ لے لو، تم نے ماں باپ کی خدمت کی ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا اس میں برکت ہوگی۔ جواب ملا کہ ہاں اس ایک دینار میں برکت ہوگی۔

چنانچہ صبح کے وقت اس نے وہ دینار جا کر اٹھا لیا۔ واپس آتے ہوئے اس کے دل میں خیال آیا کہ مدت گزر گئی، کوئی مزے کا کھانا نہیں کھایا، آج تو ایک دینار پاس ہے، چلو کوئی چیز خرید کر لے جاتا ہوں۔ راستے میں اس نے ایک بندے کے پاس بڑی سی مچھلی دیکھی۔ اس نے کچھ پیسوں کی وہ مچھلی خرید لی اور بیوی کو جا کر دی اور کہا کہ اس کا مزیدار سالن تیار کرو۔ اس کی بیوی نے جب اس مچھلی کو چیرا تو اس مچھلی کے پیٹ سے ایک ایسا ہیرا نکلا جو اتنا قیمتی تھا کہ اس نے جا کر جب اسے سنارے کو بیچا تو اس کی پوری زندگی کے خرچے کے لیے وہ کافی ہو گیا۔

برکت ختم ہونے کے اسباب

برکت ختم ہونے کے بھی کچھ اسباب ہیں۔

(1)......نیت میں کھوٹ ہونا:

سب سے پہلا سبب "نیت کا کھوٹا ہونا" ہے۔ جب بھی کسی بندے کی نیت میں فرق آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کے ہاں برکت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ

کتنی عجیب بات ہے! اس کا نیت کے ساتھ بڑا تعلق ہے۔ جب تک نیت صاف رہتی ہے برکت رہتی ہے، جیسے ہی نیت بدلتی ہے برکت ہٹ جاتی ہے۔

جب بادشاہ کی نیت بدلی......

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ وہ کہیں شکار کے لیے گیا۔ واپسی پر اسے پیاس لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے انار کے ایک باغ میں اپنی سواری روکی اور باغ کے مالک سے کہا کہ مجھے کچھ پلاؤ۔ اس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ جاؤ اور ان کے لئے انار کا شربت لاؤ۔ وہ لڑکی گئی اور اس نے جا کر ایک انار توڑا، جب اس نے اس انار کو نچوڑا تو اس ایک انار سے پورا گلاس بھر گیا۔ جب بادشاہ نے انار کا جوس پیا تو اسے بہت ہی مزیدار لگا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اتنا اچھا باغ تو بادشاہ کے پاس ہونا چاہیے۔ تو کیوں نہ اسے اونے پونے دام دے کر اس سے باغ لے لوں۔ اس نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا۔

پھر کہنے لگا: اچھا! ایک اور گلاس پلا دو۔ اب پھر وہ لڑکی گئی اور ایک انار توڑ کر لائی جب اس نے اسے نچوڑا تو تیسرا حصہ گلاس بھرا، دوسرا لا کر نچوڑا تو اور بھر گیا، اور جب تیسرا انار نچوڑا تب گلاس بھرا۔ اب بادشاہ نے پیا تو ذائقہ بھی ویسا نہیں تھا۔ تو بادشاہ نے پوچھا: کیا تم اسی درخت سے پھل لائی ہو یا درخت بدل گیا ہے؟ وہ لڑکی سمجھدار تھی۔ کہنے لگی کہ بادشاہ سلامت! درخت تو نہیں بدلا، مجھے لگتا ہے کہ کہیں تمہاری نیت نہ بدل گئی ہو تو بادشاہ کی نیت بدلتے ہی اس میں سے برکت نکل گئی۔ آج دیکھیں تو آپ کو اکثر لوگوں کی نیت میں فرق نظر آئے گا۔ پھر برکتیں کیسے ہوں۔ نہ زندگی میں برکت اور نہ ہی دین میں برکت، کسی چیز میں برکت ہوتی ہی نہیں۔ ......الا ماشاء اللہ...... پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں۔

حسنِ نیت سے کروڑوں پتی بن گیا:

مجھے کل ایک آدمی ملا۔ وہ کہنے لگا کہ جب میں نے اپنی نوکری چھوڑی تو میرے پاس ایک لاکھ روپیہ جمع تھا۔ میں نے اس سے کاروبار شروع کر دیا اور ایک بندے نے دھوکے سے وہ لاکھ روپیہ بھی ختم کر دیا۔ میرے پاس کچھ بھی نہ بچا۔

اس کے بعد ایک اللہ والے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کو دعاؤں کے لیے کہا۔ وہ اللہ والے مجھے کہنے لگے کہ بھئی! رزق کون دیتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ۔ کہنے لگے کہ جب رزق اللہ دیتا ہے تو پھر تم کیوں اتنے پریشان ہو؟ تم یہ نیت کر لو کہ یا اللہ! میں نے کسی بندے کا حق نہیں کھانا۔ میرا حق اگر کوئی کھائے تو میں اسے معاف کر دوں گا لیکن ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی میرا گریبان پکڑے، یہ نیت کر لو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ نیت کر لی کہ میں نے کسی کا حق نہیں کھانا اور میں نے چھوٹی موٹی مزدوری شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے چند سالوں کے اندر مجھے کروڑوں پتی کر دیا۔

برکتوں کے فیصلے:

بنوں میں ایک صاحب ملے۔ وہ کہنے لگے: میں بہت ہی غریب آدمی تھا اور مزدوری کرتا تھا۔ میں نے دل میں ایک نیت کی کہ اللہ! میں زمین خریدوں گا اور پلاٹ بنا کر بیچوں گا، مگر سب سے پہلے آپ کا گھر بناؤں گا، سب سے پہلے مسجد بناؤں گا۔ بس انہوں نے یہ نیت کر لی۔ کہنے لگے: اس کے بعد میں نے کام شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے دس سال کے اندر مجھے مزدوروں سے اٹھا کر کروڑ پتی لوگوں میں شامل کر دیا۔ صرف ایک نیت کی تھی کہ تیرا گھر بناؤں گا، اللہ نے اسی نیک نیتی پر برکتوں کے فیصلے فرما دیے۔

(2)......معصیت:

برکتوں کو ختم کرنے کا دوسرا سبب ''معصیت'' ہے۔ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق میں سے برکت نکال دیتے ہیں۔ چنانچہ کتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پیسہ تو زیادہ کما کر لے آتے ہیں مگر اس پیسے کے اندر برکت نہیں ہوتی، الٹا زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال زیادہ دے دیتے ہیں اور اولاد کو نافرمان بنا دیتے ہیں۔ مال زیادہ مل جاتا ہے مگر بیوی بدکردار بن جاتی ہے، کیا فائدہ ایسے مال کا؟

سود کی لعنت ایسی ہوتی ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں سینکڑوں بندوں کو ڈوبتے دیکھا ہے۔ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ جو ہوئی۔ سود کا کاروبار کرنے والے بندے کے مال میں کیسے برکت ہو سکتی ہے! کتنے بندوں کو دیکھا کہ اچھا بھلا کام حلال کے رزق کے ساتھ شروع کرتے ہیں اور پھر کام کو بڑھانے کے لئے بینکوں سے سود پر قرضے لیتے ہیں اور جو کچھ اپنا ہوتا ہے وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

(3)......بدنظری:

برکتوں کے ختم ہونے کا تیسرا سبب ''بدنظری'' ہے۔ آپ غور کریں کہ جتنی عورتیں بے پردہ پھرنے کی عادی ہیں، بازاروں میں ڈوپٹے لے کر پھرتی رہتی ہیں، ان کے چہرے کھلے ہوتے ہیں، سینے کھلے ہوتے ہیں اور دکانداروں کے پاس جا رہی ہوتی ہیں۔ ان عورتوں کے اندر سے برکت ختم ہو جاتی ہے، کیا مطلب؟ برکت ختم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خاوندوں کو ان سے تسکین نہیں ہوتی۔ وہ اپنے خاوندوں کے پاس رہتی ہیں، اس کے ساتھ وقت گزارتی ہیں، جو خاوند چاہتا ہے وہ سب کچھ کرتی ہیں، لیکن ان کے خاوندوں کا دل ان سے سیراب نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ

پریشان رہتی ہیں کہ میرا خاوند فلاں سے تعلق رکھتا ہے اور فلاں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حکمِ خدا کو توڑا اور اللہ نے ان کی ذات میں سے برکت ختم کردی۔ نیک، پردہ دار اور دین دار عورتیں اتنی خوبصورت بھی نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی ذات میں ایسی برکت دے دیتا ہے کہ ان کے خاوندان سے مطمئن ہوتے ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے رزق میں، عزت میں، دینداری میں برکت عطا فرمائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے گناہوں سے سچی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور تقویٰ کی زندگی گزاریں پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کیسے برکتیں نازل فرماتے ہیں۔ ہماری پریشانیوں کا حل یہ نہیں ہے کہ اگر پانچ ملتے ہیں تو دس ملنے لگ جائیں، دس ملتے ہیں تو پچاس ملنے لگ جائیں، نہیں، اس کا حل یہ ہے کہ زندگی میں برکت آجائے اور جب برکت آئے گی تو اللہ تعالیٰ تمام پریشانیوں کو دور کردیں گے اور خوشیوں بھری زندگی عطا فرمادیں گے۔

حصول برکت کی دعائیں:

نبیءِ رحمت ﷺ نے اللہ رب العزت سے یہ برکتیں حاصل کرنے کے لیے دعائیں بھی سکھائیں ہیں۔ اسکی بھی چند مثالیں پیش کردیتے ہیں:

⊙......ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم کھانا تو کھاتے ہیں مگر سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تم علیحدہ علیحدہ کھانا کھاتے ہوگے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اکٹھے ہوکر ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرو اور بسم اللہ پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے، علاوہ ازیں کھانا کھانے سے پہلے برکت کے لفظ کے ساتھ بھی دعا مانگنا سکھائی گئی ہے اور وہ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ

[اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کی دی ہوئی برکت پر (ہم یہ کھانا کھاتے ہیں)]

⊙ ...... بلکہ جب کھانا کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھا جائے تو کھانا شروع کرنے سے پہلے بھی پڑھنے کے لیے دعا سکھائی گئی ہے...... اس وقت کون سی دعا پڑھی جائے؟ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ اَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ

[اے اللہ! تو اس کھانے میں برکت عطا فرما اور اس سے بھی بہتر کھانا کھلا]

⊙ ...... جو میزبان مہمان کی خدمت کرتا ہے اس کے لیے بھی مہمان کو برکت مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ اس وقت یہ دعا مانگنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ فَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ

((اے اللہ! تو نے جو رزق ان کو دیا ہے اس میں اور برکت دے اور پھر ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم کر))

⊙ ...... دودھ اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ چنانچہ جب پینے کے لیے دودھ سامنے آئے تو بھی برکت مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ اس وقت یہ دعا پڑھی جائے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ

(اے اللہ! تو اس دودھ میں برکت عطا فرما اور اس سے زیادہ عطا فرما)

⊙ ...... جب موسم کا نیا پھل لایا جائے تو سب سے پہلے چھوٹے بچے کو دیا جائے اور اس کو دیکھنے کے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِنَا

(اے اللہ! تو ہمارے پھلوں میں برکت دے، اور ہمارے شہر میں برکت دے اور ہمارے صاع (بڑے پیمانوں) میں برکت دے اور ہمارے مُد (چھوٹے پیمانوں) میں برکت دے)

⊙ ......طواف میں یا حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان بھی برکت مانگنے کی دعا سکھائی گئی، چنانچہ اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاخْلُفْ عَلٰى كُلِّ غَائِبَةٍ بِخَیْرٍ

(اے اللہ! جو تو نے مجھے روزی عطا کی ہے اس پر تو مجھے قناعت دے اور اس میں میرے لئے برکت بھی دے اور جو میری نظروں سے غائب ہے (اہل و عیال) اس پر تو خیر و برکت کے ساتھ میرا قائم مقام بن جا (یعنی میرے پیچھے ان کی حفاظت فرما)

⊙ ......درودِ ابراہیمی میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نزولِ رحمت کی دعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہاں آپ ﷺ کے لیے نزولِ برکات کی دعا سکھائی گئی ہے۔ اسی لئے ہم درود ابراہیمی میں یہ دعا پڑھتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

⊙ ......نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا،

اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ (سلام کو پھیلاؤ)

اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی صرف السلام علیکم کہے تو اسے دس نیکیاں ملتی ہیں، اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اسے بیس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو اسے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ تو یہ سلام ملاقات کے

آداب کا سب سے پہلا ادب ہے اور اس میں بھی ہم ایک دوسرے کو برکت کی دعا دے رہے ہوتے ہیں۔

⊙ ......جس شخص کی شادی ہوئی ہو اس کو جو دعا دی جاتی ہے اس میں بھی برکت کا لفظ ہے۔ چنانچہ اس وقت یہ دعا دی جائے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ

[اللہ مبارک کرے اور تم پر برکتیں نازل فرمائے اور خیر و خوبی کے ساتھ تمہیں رہنا سہنا نصیب کرے]

⊙ ...... جب سواری کسی منزل پر ٹھہرنے لگے تو بھی برکت کی دعا کی تعلیم دی گئی ہے خواہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنا ہو۔ وہ دعا یہ ہے:

رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (المومنون:29)

(اے میرے پروردگار! مجھے برکت والی جگہ پر اتاریے اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں)

⊙ ......وضو کے درمیان بھی برکت مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے، چنانچہ اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَ وَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ

(اے اللہ! میرے گناہ بخش دیجیے اور مجھے کشادگی عطا فرمائیے، میرے گھر میں اور میرے رزق میں برکت دیجیے)

⊙ ......رزق میں برکت کے لیے یہ دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ وَ فَضْلِكَ وَ رِزْقِكَ

(اے اللہ! آپ ہم پر اپنی برکتوں، اپنی رحمتوں، اپنے فضل اور اپنے دیے ہوئے رزق میں فراغت اور فراخی عطا فرمائیے)

⊙ ...... کسی بستی میں داخل ہوتے وقت بھی برکت مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ اس وقت کی دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا (اے اللہ! تو ہمیں اس بستی میں خیر و برکت عطا فرما)

⊙ ...... ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص روزانہ پچیس مرتبہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَ فِيْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ

(اے اللہ! میرے لیے موت میں بھی برکت دے اور موت کے بعد کی زندگی میں بھی برکت دے)

اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کے رتبے پر فائز کر دیتے ہیں، یہ ہے حقیقی برکت۔ اس طرح کی اور بھی بے شمار دعائیں ہیں جن میں برکت کے حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

﴿ وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

(الذّٰرِیٰت: ۵۵)

تعلیماتِ اسلامی
کانچوڑ

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: زینب مسجد، معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

بتاریخ: 25 اکتوبر 2008ء برموقع: سالانہ نقشبندی اجتماع

اقتباس

نصیحت الگ چیز ہے اور تنقید الگ چیز ہے۔ ہم لوگ تنقید زیادہ کرتے ہیں، نصیحت نہیں کرتے۔ نصیحت میں دردِ دل ہوتا ہے، اخلاص ہوتا ہے، محبت ہوتی ہے، اپنائیت ہوتی ہے۔ اور تنقید تو دشمن بھی کرتے ہیں۔ لوگ تنقید کو پسند نہیں کرتے البتہ نصیحت کو پسند کرتے ہیں۔

انبیائے کرام اپنی قوم کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ ﴿اِنِّـیْ لَـکُمْ نَـاصِحٌ اَمِیْنٌ﴾ [بے شک میں تمہارے لیے نصیحت کرنے والا اور امانت دار ہوں] دیکھا! نصیحت فرماتے تھے۔ چنانچہ جب انسان دردِ دل کے ساتھ بات کرے تو وہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تعلیمات اسلامی کا نچوڑ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿ وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ﴾

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

نصیحت سے فائدہ اٹھانا:

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

﴿وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الذّٰریٰت :55)

[آپ نصیحت کیجیے، بے شک نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے]

اللہ رب العزت نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ نصیحت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گو ظاہر میں نصیحت کو نہ مانے، اگر چہ وہ اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے نصیحت کو رد کر دے، مگر اس کا دل تسلیم کر لیتا ہے۔ جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام نے کفار کو دین پر آنے کے لیے نصیحت فرمائی تو ظاہر میں انہوں نے انکار کیا، لیکن ان کے دل تسلیم کر گئے۔ قرآن مجید نے تصریح کر دی کہ ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ﴾ (البقرۃ:۱۴۶) (وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) دل تو ان کو تسلیم کرتے تھے مگر...... ﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ (ان

کے دل میں حسد تھا) وہ اس حس کی وجہ سے اپنی ضد پر جمے رہے۔تو نصیحت انسان کو فائدہ دیتی ہے خواہ وہ دیوار پر ہی لکھی ہوئی کیوں نہ ہو۔

جو سلیم الطبع شخص ہوتا ہے وہ نصیحت کو سن کر اس کو قبول کر لیتا ہے اور بات مان لیتا ہے، اور جو بد باطن انسان ہوتا ہے اس کو اگر نصیحت کی جائے تو وہ الٹا غصہ کرتا ہے۔

ع میں اسے سمجھوں ہوں دشمن، جو مجھے سمجھائے ہے

اسے اگر کوئی اچھی بات سمجھائیں تو اسے برا لگتا ہے۔ یہ اس کے اندر کی خباثت کی وجہ سے ہے۔ سلیم الفطرت انسان ہمیشہ نصیحت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

کون کس کو نصیحت کرے؟

قرآن مجید کی ایک سورت ''لقمان'' ہے۔لقمان علیہ السلام اللہ کے اولیا میں سے ایک ولی گزرے ہیں۔انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔ان کا یہ نصیحت کرنا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام بھی لقمان رکھا اور ان کی نصیحتوں کو قرآن مجید کا حصہ بھی بنا دیا گیا، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے۔اس لیے یہ ذمہ داری ہے کہ:

...... بڑا، چھوٹے کو نصیحت کرے۔

...... ماں باپ، اولاد کو نصیحت کریں۔

...... خاوند، بیوی کو نصیحت کرے۔

...... استاد، شاگردوں کو نصیحت کرے۔

ہمارے بزرگوں نے کہا:

''جس گھر کا مرد اپنے اہل خانہ کو نصیحت نہیں کرتا، اس گھر کے مَردوں میں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں''

اس ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیے۔

نصیحت اور تنقید:

نصیحت الگ چیز ہے اور تنقید الگ چیز ہے۔ ہم لوگ تنقید زیادہ کرتے ہیں۔ نصیحت نہیں کرتے۔ نصیحت میں درد دل ہوتا ہے، اخلاص ہوتا ہے، محبت ہوتی ہے، اپنائیت ہوتی ہے۔ اور تنقید تو دشمن بھی کرتے ہیں۔ لوگ تنقید کو پسند نہیں کرتے البتہ نصیحت کو پسند کرتے ہیں۔ انبیائے کرام اپنی قوم کو نصیحت کیا کرتے تھے۔

﴿اِنِّیْ لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ﴾

[بے شک میں تمہارے لیے نصیحت کرنے والا اور امانت دار ہوں]

دیکھا، نصیحت فرماتے تھے۔ چنانچہ جب انسان درد دل کے ساتھ بات کرے تو وہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے،

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی، آج انسان اس کو قرآن مجید میں پڑھ سکتا ہے۔ اس امت میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا اور اکابر اپنے اصاغر کو نصیحتیں کرتے رہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے نصیحت فرمائی: بیٹا! پانچ طرح کے لوگوں سے دوستی مت کرنا، اگر کہیں راستہ میں چلنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ راستے میں بھی نہ چلنا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اتنی تھوڑی دیر کا ساتھ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: جی وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا:

(1)...... بے وقوف سے دوستی نہ کرنا۔ اس لیے کہ بے وقوف تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن بیوقوفی کی وجہ سے نقصان پہنچا بیٹھے گا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ بے وقوف

دوست سے عقلمند دشمن بہتر ہوتا ہے۔

(2)......جھوٹے شخص سے دوستی نہ کرنا...... کیوں؟......اس لیے کہ وہ دور کو قریب اور قریب کو دور ظاہر کرے گا۔ تجھے حقیقت کا پتہ نہیں چل سکے گا۔

(3)......فاسق آدمی سے دوستی نہ کرنا۔اس لیے کہ جو اللہ کا نافرمان ہوا اور اللہ سے بے وفائی کرتا ہو وہ تجھ سے وفا کیسے کر سکے گا۔ میں نے پوچھا: جی فاسق سے دوستی کیوں نہ کریں؟ فرمایا: ''وہ تجھے ایک روٹی یا اس سے کم کے بدلے میں بیچ دے گا''۔ میں نے پھر پوچھا کہ ایک روٹی سے کم کا کیا معنی ہے؟ فرمایا کہ وہ ایک روٹی کی امید پر بیچ دے گا۔اور یہ عاجز کہتا ہے کہ بیچ دے گا اور بھاؤ کا پتہ بھی نہیں چلنے دے گا، اس لیے کہ فاسق و فاجر جو ہوا، اس پر انسان کیا اعتماد کر سکتا ہے۔

(4)......بخیل سے دوستی نہ کرنا...... کیوں؟......اس لیے کہ وہ تمہیں ایسے وقت میں دھوکہ دے گا جب تمہیں اس کی بہت ضرورت ہو گی۔اس وقت تمہیں جھنڈی دکھا دے گا۔

(5)......اور قطع رحمی کرنے والے سے دوستی نہ کرنا جو رشتے ناتے توڑ دیتا ہو۔ذرا سی بات ہوئی تو اس سے بولنا چھوڑ دیا، اس سے بولنا چھوڑ دیا۔قریبی رشتوں کا خیال بھی نہ رکھا...... کیوں؟ اس سے دوستی کیوں نہ کروں؟......فرمایا: اس لیے کہ میں نے قرآن مجید میں تین جگہ پر ایسے بندے پر لعنت ہوتے دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو ناپسند کرتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ وصیتیں فرمائیں۔انہیں ''وصایا امامِ اعظم'' کہا جاتا ہے۔ان نصیحتوں میں انہوں نے اپنے بیٹے حماد سے کہا، بیٹا! میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے تمہارے لئے پانچ حدیثوں کو منتخب کیا ہے۔اگر تم ان پانچ حدیثوں

پر عمل کر لو گے تو گویا پورے دین پر عمل ہو جائے گا۔ یوں سمجھیں کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کا نچوڑ بتا دیا۔ فرمایا:

(1) پہلی حدیث...... اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

(2) دوسری حدیث...... مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرَکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ

(3) تیسری حدیث...... لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

(4) چوتھی حدیث...... اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

(5) پانچویں حدیث...... اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ

پہلی حدیث مبارکہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ یہ وصیت تصحیح نیت کے بارے میں ہے۔

تصحیح نیت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

[اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے]

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ سے اپنی صحیح کا آغاز فرمایا...... وجہ کیا تھی؟ اس لیے کہ جب اعمال کا دارومدار ہی نیت پر ہے تو نیت کا ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر نیت ٹھیک نہیں ہوگی تو عمل ہی نہیں ہوگا۔ یہ نیت کو ٹھیک کرنا بھی سیکھنا پڑتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں آٹھ سال تک اپنے شیخ کی صحبت میں رہا اور ان آٹھ سالوں میں، میں نے نیت کو ٹھیک کرنا سیکھا، یہ اتنا مشکل کام ہے۔ جبکہ ہم اسے آسان سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں

ہر ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرنی چاہیے۔

ایک بزرگ اپنے کسی شاگرد کی دعوت پر اس کے گھر گئے، اس نے نیا گھر بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے شاگرد سے پوچھا: یہ تم نے اپنے کمرے میں کیا بنایا ہوا ہے؟ اس نے کہا: روشندان۔ پوچھا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ کہنے لگا: جی اس سے ہوا اور روشنی آئے گی۔ اس وقت ان بزرگوں نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا: دیکھو! آپ کو نیت تو یہ کرنی چاہیے تھی کہ اس روشن دان سے مجھے اذان کی آواز آیا کرے گی او ر مجھے نماز کے وقت کا پتہ چلے گا جبکہ روشنی اور ہوا تو تمہیں مفت میں مل ہی جانی تھی...... اب روشن دان بناتے وقت یہ نیت کی جائے کہ اس میں سے اذان کی آواز آئے گی۔ اگر یہ نیت کریں گے تو اس عمل پر بھی عبادت کا ثواب ملے گا۔

نیت کے فرق سے اجر سے محرومی:

بعض اوقات انسان عمل بھی کرتا ہے مگر نیت کے فرق کی وجہ سے اجر وثواب سے محروم رہتا ہے۔ مثال کے طور پر:

☆......اگر کسی آدمی نے اپنا وزن کم کرنا ہے اور وہ سارا دن کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ بیوی کے قریب ہوتا ہے اور سحری سے لے کر مغرب تک وہ ان کاموں سے رکا رہتا ہے تو اس بندے کو روزہ دار نہیں کہیں گے۔ گو اس نے روزے کے اعمال پورے کر دیے مگر چونکہ روزے کی نیت نہیں کی تھی اس لیے روزہ دار نہ بنا۔

☆......ایک شخص ویرانے میں نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ اسے قبلے کا پتہ نہیں اور نہ ہی کوئی بتانے والا قریب ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ ایسے موقع پر وہ انکل سے کام لے، تحری کرے، قیافہ لگائے کہ قبلہ کدھر ہو سکتا ہے۔ اب اس کا گمان غالب یہ ہوا کہ قبلہ سامنے کی طرف ہے، مسافر تھا، اسے دو رکعت پڑھنی تھی لہٰذا اسی طرف منہ کر کے پڑھنی شروع کر دی۔ ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کے دل میں گمان ہوا کہ قبلہ تو

پیچھے کی طرف تھا۔ تو فقہا نے لکھا ہے کہ اگر گمان غالب یہی ہو گیا کہ قبلہ پیچھے کی طرف ہے تو دوسری رکعت پیچھے کی طرف رخ کر کے پڑھ لے، اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔ اب ایک اور صورت دیکھیے! ایک آدمی اکیلا تھا، اس نے جوتے اتارے، سامان رکھا اور نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پہلی رکعت پڑھنے کے بعد خیال آیا کہ سامان پیچھے پڑا ہوا ہے، کوئی چور اٹھا کر ہی نہ لے جائے۔ چنانچہ اس نے رخ موڑ کر ادھر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ کیا اس صورت میں اس کی نماز ہو جائے گی؟ اس کی نماز نہیں ہو گی۔ کوئی بندہ سوال کر سکتا ہے کہ پہلے آدمی نے بھی تو پہلی رکعت سامنے کی طرف رخ کر کے پڑھی تھی اور دوسری رکعت پیچھے کی طرف منہ کر کے پڑھی تھی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر میں عمل تو دونوں نے ایک جیسا کیا مگر نیت کا فرق تھا۔ اس لیے دوسرے بندے کی نماز نہیں ہو گی۔

فعل اور عمل میں فرق:

یہاں اِنَّمَا کا لفظ حصر کے لیے استعمال ہو ہے۔ اس کا معنی ہے ''صرف اور صرف''، یعنی مبتدا کو خبر میں محصور کرنا۔ اور آگے فرمایا: اعمال یہاں افعال نہیں کہا۔ کیونکہ فعل اور عمل میں فرق ہوتا ہے۔ فعل وہ کام ہوتا ہے جو بغیر نیت کے ہو۔ یہ جانور بھی کرتے ہیں۔ اعمال کا لفظ انسان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ذی شعور ہوتا ہے۔

جنت کے درجے اعمال کی بنیاد پر:

اس لیے قرآن مجید میں ایمان اور عمل صالح کا تذکرہ ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو جا بجا ﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کے الفاظ ملیں گے۔ کیونکہ ایمان جنت میں جانے کی کنجی ہے۔ اگر ایمان جنت میں جانے کی کنجی ہے تو پھر اعمال کی اہمیت کیا

ہوگی؟ علما نے لکھا ہے کہ کنجی کے دندانے ہوتے ہیں۔ جب تک سارے دندانے ٹھیک نہ ہوں، اس وقت تک کنجی لگانے کے با انسان تالا نہیں کھول سکتا۔ لہٰذا اعمال صالح کنجی کے دندانے کی مانند ہیں۔ تو ایمان بھی ہو اور اعمال صالح بھی ہوں، تب فائدہ ہوگا۔ جنت کے درجات تو اعمال پر ہی ملیں گے۔ اللہ کریم نے فرمایا۔

﴿ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾ (الاحقاف:19)

(اور ہر ایک کے لیے درجات اس کے عملوں کے بقدر ہوں گے)

ہمیں زیادہ سے زیادہ اعمال کرنے چاہییں کیونکہ قیامت کے دن انسان کو اس کے اعمال ہی کام آئیں گے۔

مناظرِ قیامت کی تفصیل:

ایک حدیثِ پاک عجیب مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ حدیث مبارکہ حضرت سعید بن حسیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ صبح کے وقت صحابہ کرام کو فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں عجیب حالات دیکھے ہیں...... چونکہ انبیا کے خواب سچے ہوتے ہیں اس لیے گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں مناظر قیامت کی تفصیل دکھا دی...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

◉ ...... میں نے دیکھا کہ ملک الموت میرے ایک امتی کی روح قبض کرنے آیا تو ماں باپ کے ساتھ اس کا حسنِ سلوک اور ان کی خدمت درمیان میں آڑے آ گئے اور ملک الموت کو انہوں نے روح قبض کرنے سے روک دیا۔ ...... کیا مطلب؟...... کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے اللہ تعالیٰ بندے کی عمر کو بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے صدقہ کرنے سے عمر بڑھ جاتی ہے ایسے ہی ماں باپ کی خدمت کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ انسان کی عمر میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کو شیاطین نے وحشت زدہ کرنے کی کوشش کی، اللہ کی یاد اس کے سامنے آ گئی اور اُس ذکر اللہ نے اسے شیطان کے شکنجے سے چھڑوا لیا۔ گویا اگر ہم کثرت سے اللہ کا ذکر کریں گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے پنجے سے محفوظ فرما دیں گے۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی پر عذاب قبر چھا رہا ہے۔ اس کا وضو کرنا سامنے آیا اور اس کو عذاب قبر سے بچا لیا۔ یعنی وضو کو تسلی کے ساتھ، اہتمام کے ساتھ، مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے کرنے سے آدمی عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

⊙ ...... میں نے اپنے ایک امتی کو پیاس کی شدت کے ساتھ ہانپتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ حوض کوثر کے پاس آتا تھا تو اسے پانی پینے سے روک دیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں اس کے روزے سامنے آئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے حوض کوثر پر لائے اور اس کو پانی سے سیراب کر دیا۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ ایک مجلس میں انبیا علیہم السلام کے حلقے لگے ہوئے ہیں۔ میرا ایک امتی ان میں سے جس حلقے کی طرف جاتا ہے، وہاں سے اسے واپس دھکیل دیا جاتا ہے۔ ایک حلقے کی طرف گیا اور وہاں سے رد کر دیا گیا، پھر دوسرے حلقے کی طرف، پھر تیسرے حلقے کی طرف، کہیں بھی بیٹھنے کی اجازت نہیں ملتی۔ اس وقت اس شخص کا غسلِ جنابت سامنے آیا اور اس کو میرے حضور لا کر میرے پہلو میں بٹھا دیا...... اس سے پتہ چلا کہ انسان پر جب غسل فرض ہوتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس میں دیر نہ کرے اور احکام شریعت کے مطابق ٹھیک انداز سے غسل کرنا چاہیے۔ بعض مرد اور عورتیں غسل کرنے میں دیر کر دیتے ہیں۔ بھئی موت کا کیا بھروسہ؟ ہمارے اکابرین کا یہ طریقہ تھا کہ جیسے ہی غسل فرض ہوتا تھا فوراً ہی کر لیتے تھے اور آج اس غسل کی وجہ سے کئی مرتبہ نمازیں ہی فوت ہو جاتی ہیں۔

⊙...... میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کو اندھیروں نے ہر طرف سے گھیر لیا...... دائیں طرف سے، بائیں طرف سے، آگے سے، پیچھے سے، اوپر سے، نیچے سے، اور وہ ان اندھیروں میں مارا مارا بھٹکتا پھر رہا تھا۔ پھر اس کا حج اور عمرہ اس کے سامنے آئے اور انہوں نے اس کو ان ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیا۔

⊙...... پھر میں نے دیکھا کہ میرا ایک امتی لوگوں سے بات کرنا چاہتا ہے مگر کوئی اس سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایسے موقع پر اس کی صلہ رحمی سامنے آئی...... صلہ رحمی کسے کہتے ہیں؟ لوگوں سے دین کی نسبت سے تعلق جوڑنا اور اپنے خونی رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھنا، صلہ رحمی کہلاتا ہے...... فرمایا: صلہ رحمی سامنے آئی اور کہنے لگی، اے مسلمانوں کی جماعت! یہ مجھے جوڑتا تھا اور ملاتا تھا۔ یہ بات سننے کے بعد سب لوگوں نے اس سے مصافحہ کیا۔ اس سے بولنے لگے اور وہ آدمی ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔

⊙...... پھر فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کے چہرے اور جسم کو آگ کے شعلوں نے جلا رکھا ہے، ایسے وقت میں اس کا صدقہ خیرات سامنے آئے اور اس کے سامنے سائبان کی طرح رکاوٹ بن گئے۔

⊙...... میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ دوزخ کے فرشتوں نے اس کو پکڑ لیا۔ ایسے وقت میں اس کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عمل سامنے آیا اور اسے دوزخ سے نکال کر رحمت کے فرشتوں کے پاس پہنچا دیا۔

⊙...... میں نے دیکھا کہ میدانِ حشر میں میرا امتی گھٹنوں کے بل گر رہا ہے، جیسے بندہ آگے گرتا ہے۔ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ ایسی حالت میں اس شخص کا حسنِ خلق سامنے آیا اور اس بندے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے رب کے حضور پہنچا دیا۔ یہ اچھے اخلاق کتنے ضروری ہیں کہ ان کی وجہ سے اس کے اور اللہ تعالیٰ کے

درمیان کا حجاب ختم ہو جاتا ہے۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جار ہا ہے۔ پھر اس شخص کا خوفِ خدا سامنے آیا اور اعمال نامے کو بائیں ہاتھ سے لے کر اس کے دائیں ہاتھ میں تھما دیا۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ ایک شخص جہنم کے کنارے پر کھڑا کانپ رہا ہے، قریب تھا کہ جہنم کے اندر گر جاتا۔ اس وقت اس کا اللہ کے خوف سے رونا اور کانپنا سامنے آیا اور اس شخص کو جہنم میں گرنے سے بچا لیا۔

⊙ ...... میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ دوزخ میں گر رہا ہے۔ اس وقت اللہ کے خوف سے اس کا آنسو بہانا سامنے آیا اور اس بندے کو دوزخ سے نکال لیا۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کا نیکی کا پلڑا ہلکا ہو رہا ہے۔ اس وقت اس بندے کے معصوم بچے جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے، سامنے آئے اور اس کے نیکی والے میزان کے پلڑے کو بھاری کر دیا۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ میرا ایک امتی پلِ صراط پر اس طرح لڑکھڑا رہا ہے جس طرح سخت آندھی میں کھجور کی ٹہنی ہلتی ہے۔ اس وقت اس شخص کا اللہ سے نیک گمان رکھنا سامنے آیا اور اس نے اس کے قدموں کو اچھی طرح جما دیا۔

⊙ ...... میں نے دیکھا کہ میرا ایک امتی پلِ صراط پر کانپتے ہوئے کبھی اٹھتا ہے، کبھی گرتا ہے۔ اس وقت اس شخص کی نماز سامنے آئی اور نماز نے اس کو پل صراط سے پار کروا دیا۔

⊙ ...... میں دیکھا کہ میرا ایک امتی جنت کے دروازے پر جاتا ہے۔ تو سب دروازوں کو بند پاتا ہے۔ اس وقت اس شخص کا کلمہ ءشہادت پڑھنا سامنے آیا اور اس کلمہ شہادت نے جنت کے تمام دروازوں کو اس کے لیے کھول دیا۔

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ قیامت کے دن اعمال کام آئیں گے۔ ان اعمال کا دارومدار ہماری نیت پر ہے۔ اگر نیت ٹھیک نہیں ہوگی تو اعمال کام نہیں آئیں گے۔

بدنیتی کا وبال:

ایک حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شہید کو، ایک عالم کو اور ایک سخی کو بلایا جائے گا۔ ان تینوں کا معاملہ یہ ہوگا کہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں ہونگی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائیں گے ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک شہید، ایک عالم اور ایک سخی نیت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے تو پھر ہم لوگوں کا کیا بنے گا۔ اس سلسلہ میں فکرمند ہونے کی ضرورت ہے۔

ایک عمل میں متعدد نیکیوں کو جمع کرنا:

ایک حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ

(اعمال کا دارومدار نیت پر ہے)

علما نے یہاں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نیت سے زیادہ اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ عمل کرنے والے اعضا زیادہ ہوتے ہیں اور نیت تو دل کا کام ہے اور وہ ایک ہے۔ چنانچہ جتنے بھی نوافل ہیں اگر ان میں انسان زیادہ نیتوں کو شامل کر لے تو اس کا اجر بڑھ جائے گا۔ مثلاً: آپ صبح کے وقت دفتر جانے کے لیے تیار ہوئے، وضو کر کے آپ سوچتے ہیں کہ میں دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتا ہوں، یہی دو رکعت اشراق کی نماز پڑھتا ہوں، میں دو رکعت صلوٰۃ الحاجات پڑھتا ہوں، میں نے شکرانے کی نیت سے بھی دو رکعت نماز پڑھنی ہے، یوں دو دو رکعت

پڑھیں گے تو زیادہ وقت لگے گا۔ اگر صرف دو رکعت ہی پڑھی اور اس میں ان تمام نیتوں کو بھی شامل کر لیں تو اللہ تعالیٰ سب کا ثواب عطا فرما دیں گے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ہم جو کپڑے پہنتے ہیں، اس کپڑے کے پہننے میں انسان چالیس نیتوں کو جمع کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر:

- ......اس میں اتباع سنت ہے۔
- ......اس سے میرا ستر چھپتا ہے۔
- ......اس سے میری شخصیت کو جمال ملتا ہے۔
- ......میں اپنے جسم کو سردی گرمی سے بچاتا ہوں۔

علما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی خوشبو استعمال کرے تو وہ بھی مختلف نیتیں کر سکتا ہے۔ مثلاً:

- ......خوشبو لگانا سنت ہے۔
- ......اس سے بدن سے نکلنے والی بدبو ختم ہوتی ہے۔
- ......میرے دماغ کو تقویت ملتی ہے۔
- ......اس کی مہک سے ساتھ بیٹھنے والا بھی راحت محسوس کرے گا۔

علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی مسجد میں کچھ وقت کے لیے بیٹھتا ہے تو وہ بھی ایک وقت میں کئی نیتیں اکٹھی کر سکتا ہے۔ اس کی بھی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

- ......وہ اتباع سنت کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......وہ نماز کے انتظار کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......وہ تلاوت کرنے کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......وہ ذکر اللہ کی نیت کر سکتا ہے۔

- ......دعا کرنے کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......اپنے آپ کو لایعنی باتوں سے اور لایعنی حرکات سے محفوظ کرنے کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......مسلمان بھائیوں کی زیارت کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......مسجد آباد رکھنے کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......مسجد کی دیکھ بھال کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......مسجد کی صفائی کی نیت کر سکتا ہے۔
- ......وہ مسجد میں استفادہ اور افادہ دونوں کی نیت کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عابد کسی عالم کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ عالم تو ایک ہی عمل میں کتنی نیتوں کو جمع کر کے اتنا ثواب کمائے گا جبکہ عابد ایک عمل میں صرف ایک ہی کی نیت کرتا ہے۔

اعمال کا دار و مدار کس پر؟

اس حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اب اس ''دار و مدار'' پر بات کرتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

کیا اعمال کی تصحیح کا دار و مدا نیت پر ہے؟ یا

اعمال کے ثواب کا دار و مدار نیت پر ہے؟ یا

اعمال کی قبولیت کا دار و مدار نیت پر ہے؟

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اعمال کے ثواب کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اگر ایک آدمی کو کسی نے تالاب میں دھکا دے دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ وضو والے سارے کام ہو گئے اس لیے اس کا وضو تو ہو گیا لیکن اسے وضو کرنے کا ثواب

نہیں ملے گا۔اب یہاں فقہا کا آپس میں اختلافِ رائے ہو گیا۔

فقہا کے اختلاف میں امت کی آسانی:

بعض لوگ اس بات پر بڑے حیران ہوتے ہیں کہ جی فقہا کا اختلاف آخر ہے کیوں؟ یہ نہ ہوتا تو بات ہی ختم ہو جاتی۔علماء نے لکھا ہے کہ فقہاء کا اختلاف امت کے لیے وسعت کا سبب بنا دیا ہے۔اس سے شریعت نے گنجائش رکھ دی۔اگر ایک ہی بات ہوتی تو سب کا اس ایک بات کو اپنے ماحول کے مطابق اپنانا مشکل ہو جاتا۔اگر اللہ نے ہمیں وسعت دیدی ہے تو ہم اس وسعت کو برا کیوں سمجھیں۔ایک مثال سے بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔

ایک شخص نے ایک مرتبہ یہ قسم کھالی کہ میں ایک ''حین'' تک اپنی بیوی سے گفتگو نہیں کروں گا۔......''حین'' عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کی جمع ''احیان'' آتی ہے اور جمع الجمع ''احابین'' آتی ہے۔حین کا معنی ہے ''مدت''۔یہ مدت زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور کم بھی ہو سکتی ہے......اب وہ قسم کھا بیٹھا کہ میں ایک حین تک اپنی بیوی سے گفتگو نہیں کروں گا۔بعد میں اسے فکر لاحق ہوئی کہ میں کیا کروں؟

چنانچہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: جی میں یہ قسم کھا بیٹھا ہوں کہ میں اپنی بیوی سے ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا، اب آپ بتائیں کہ میں گفتگو کب کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا: تم قیامت تک اس سے گفتگو نہیں کر سکتے۔اس نے پوچھا، آپ کے اس جواب کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا: قرآن مجید کی آیت ہے۔

﴿ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ﴾ (البقرہ :36)

[اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک معین مدت تک نفع اٹھانا ہے]

یہاں حین قیامت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وہ شخص سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ پوچھا: حضرت! میں اپنی بیوی کے معاملہ میں یہ قسم کھا بیٹھا ہوں کہ ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا، اب میں کب گفتگو کر سکتا ہوں؟ فرمایا: چالیس سال بعد۔ اس نے پوچھا: حضرت! اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴾

(الدھر: 1)

[بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا]

مفسرین نے یہاں حین کا مطلب چالیس سال لکھا ہے۔

اس کے بعد وہ شخص سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، عرض کیا کہ حضور! قسم کھا بیٹھا ہوں کہ بیوی سے ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا۔ اب آپ بتائیے کہ میں کب گفتگو کر سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک سال تک بیوی سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا: جی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

﴿ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ (ابراھیم :25)

[اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہو]

اب درخت سال میں ایک مرتبہ پھل دیتا ہے، یہاں چونکہ حین کا لفظ استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس سے مراد ایک سال کی مدت ہے۔

وہ شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ عرض کیا کہ حضرت! قسم کھا بیٹھا ہوں کہ بیوی سے ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا۔ آپ بتائیے کہ میں کب تک اس سے نہیں بول سکتا؟ انہوں نے جواب دیا: ایک دن یا ایک رات۔ اس نے کہا کہ

حضرت! اس کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ o وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾(الروم:18-17)

[سوتم اللہ کی تسبیح بیان کیا کرو شام اور صبح کے وقت۔ کیونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حمد ہوتی ہے۔ اور زوال کے بعد اور ظہر کے وقت بھی تسبیح کیا کرو]

یہاں حین کا لفظ ایک دن یا ایک رات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اسی کو فقہاء کا اختلاف کہتے ہیں کہ سب نے منشائے خداوندی کو سامنے رکھا، مگر ایک نے ایک معنی لیا، دوسرے نے دوسرا لیا، تیسرے نے تیسرا لیا اور چوتھے نے چوتھا لیا۔ یوں اللہ رب العزت نے ہمارے لیے گنجائش رکھ دی۔

عبداللہ بن مبارکؒ کا ارشاد گرامی:

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی نیتوں کو اچھا کرنے کی محنت کریں۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے:

رُبَّ عَمَلٍ صَغِيْرٍ تُعْظِمُهُ النِّيَّةُ

[بعض اوقات عمل چھوٹا ہوتا ہے، نیت اس عمل کو بڑا کر دیتی ہے]

وَ رُبَّ عَمَلٍ كَبِيْرٍ تُصْغِرُهُ النِّيَّةُ

[اور بعض اوقات عمل بہت بڑا ہوتا ہے، نیت اس عمل کے اجر و ثواب کو تھوڑا کر دیتی ہے]

یہ کرشمے نیت کے ہیں۔

نیت کی تین صورتیں:

عمل کی نیت کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(1)......حسنِ نیت سے عمل کرنا۔

(2)......نیتِ بد سے عمل کرنا۔

(3)......بغیر نیت کے عمل کرنا۔

علما نے لکھا ہے کہ اس امت کو نیتِ بد کے ساتھ عمل کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ بلا نیت کے عمل کرنے سے نقصان پہنچا ہے۔ہم اپنی زندگی پر غور کریں کہ ہم واقعی بہت سے کام بے نیت ہی کر لیتے ہیں۔اگر انہی کاموں کو نیت کے ساتھ کریں تو وہ ثواب بن سکتا ہے۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی عادت کو عبادت بنائیں۔

اعمال کو اجر کے قابل کیسے بنائیں:

ہم اپنے اعمال کو کس طرح ابر کے قابل بنا سکتے ہیں؟اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔مثال کے طور پر:

☆ ..... ہر وہ بندہ جس کے ماں باپ زندہ ہیں،وہ دن میں درجنوں مرتبہ ماں اور باپ کے چہروں کو دیکھتا ہے،لیکن کیا دیکھتے ہوئے اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شریعت نے کہا ہے کہ ماں اور باپ کے چہرے کو محبت اور عقیدت کی نظر سے دیکھنے پر حج یا عمرے کا ثواب ملتا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی بار بار دیکھے تو......؟ فرمایا: جتنی مار دیکھے گا اتنی بار حج یا عمرے کا ثواب پائے گا۔ہم تو ایک دن میں درجنوں حج اور عمروں کا ثواب لے سکتے ہیں۔کتنے نوجوان ہیں جو اپنے ماں باپ کے چہرے پر نظر ڈالتے ہیں کہ یہ میرے ماں باپ ہیں اور اللہ نے ان کو یہ

مقام عطا فرمایا ہے۔

☆...... ہر خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور ہر بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے۔مگر اس مسکرانے میں خواہش کا پہلو غالب ہوتا ہے۔شریعت نے کہا کہ جب کوئی خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں...... اب اس نیت سے دیکھ کر کون مسکراتا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ عمل تو ہے مگر نیت نہیں ہے۔

☆...... بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ رات کو کپڑے بدل کر سوتے ہیں۔ تہبند باندھ لیتے ہیں۔یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ رات کو سوتے وقت کپڑے بدل کر سوتے تھے...... اب آپ بتائیں کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو یہ نیت کرتے ہوں کہ میں سنت کی نیت سے کپڑے بدل رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ عادت ہے مگر عبادت نہیں۔ہمیں اسی بات سے زیادہ نقصان ہوا ہے کہ بغیر نیت کے کام کرتے ہیں۔حسنِ نیت کے ساتھ اپنی عادت کو عبادت بنالیجئے۔

☆...... ہر ماں اپنے بچے کو سلاتی ہے۔اس وقت وہ تھپکیاں دیتی ہے۔نیک مائیں تو اللہ ہو اللہ ہو کہتی ہیں مگر جن کی طبیعت میں نیکی نہیں وہ بڑی اوٹ پٹانگ باتیں کرتی ہیں۔یا یہی کہتی رہتی ہوں گی کہ سو جاؤ، سو جاؤ، سو جاؤ۔حالانکہ عورت اگر تھوڑی سی عقلمندی سے کام لے تو وہ اس وقت کو بھی عبادت بنا سکتی ہے۔پہلے دور میں جب مائیں اپنے بچوں کو سلاتی تھیں تو عربی زبان میں لوری دیتی تھیں:

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہ

مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُ اللّٰہ

یوں بچے کو ترنم کے ساتھ کچھ الفاظ سننے کو مل جاتے تھے، ساتھ ساتھ ماں اسے تھپکی بھی دے رہی ہوتی تھی۔اصل چیز تو وہی ردھم ہوتا ہے۔اس لیے بچہ سو جاتا

تھا۔ اگر مائیں اس وقت بچے کو کوئی دعائیہ کلمات کہہ دیں تو ایک تو بچے کو ماں کی دعا ملتی رہے گی اور دوسرا ماں کو ثواب بھی ملتا رہے گا۔ چنانچہ جو مستورات عربی زبان جانتی ہیں..... معلمات اور فاضلات..... وہ عربی زبان کے الفاظ بھی کہہ سکتی ہیں۔ مثلاً:

اِنَّا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ

(ہم اللہ پر ایمان لے آئے)

صَدَّقنابِرَسُوْلِ اللّٰہِ

(ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی)

نَرْجُوْالْجَنَّۃَ نَدْخُلَھَا

(ہم جنت کی امید رکھتے ہیں کہ ہم اس میں داخل ہوں گے)

یَوْمَ الْحَشْرِ اِنْ شَاءَ اللّٰہ

(قیامت کے دن ان شاء اللہ)

یَا رَحْمٰن عافِنا

(اے رحمان! ہمیں معاف کر دے)

وَاعفُ عَناً یا اَللّٰہ

(اے اللہ! ہمیں معافی عطا فرما)

اب ہے یہ بھی لوری، لیکن تھوڑی سی عقلمندی کا مظاہرہ کرنے سے یہ عبادت بن جائے گی۔ دنیا کی ہر ماں بچے کو سلاتے وقت کچھ نہ کچھ تو بولتی ہی ہے۔ تو کیوں نہ ہم اچھے الفاظ بولیں اور اجر و ثواب کمائیں۔ اچھا، اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں تو عربی نہیں آتی، تو کوئی بات نہیں، اردو زبان میں ہی لوری دے دیں..... اردو میں لوری کیسے دیں؟..... آپ خود الفاظ بنالیں۔ بنا سکتی ہیں۔ مثلاً: آپ نے بیٹی کو سلانا ہے تو آپ

یہ کہہ سکتی ہیں:

پیاری بیٹی سوئے...... اللہ ہنستا رکھے...... حنانہ کبھی نہ روئے

عزت جنت پائے......

بیج ایسا بوئے......

خوب نیکی کرکے......

سعاد دل کو دھوئے......

پیاری بیٹی سوئے...... اللہ ہنستا رکھے...... حنانہ کبھی نہ روئے۔

تو عادت، عبادت کیسے بنتی ہے؟ یہ نعمت حسن نیت کی وجہ سے انسان کو ملتی ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ کے ہاں نیت کی عظمت:

ہمارے علاقے میں ایک بزرگ گزرے ہیں، سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، ان کا کلام بڑا عجیب ہے۔ ان کے پنجابی کے کچھ اشعار ہیں۔ سب کے لیے سمجھنا تو مشکل ہوگا۔ ان کا ترجمہ یہ عاجز ساتھ ساتھ کر دے گا۔ وہ موقع کی مناسبت سے بہت اہم ہیں۔ فرماتے ہیں:

جے نایتاں دھوتیا رب ملدا تے ملدا ڈُمیاں مچھیاں نوں

(اگر نہانے دھونے سے خدا ملتا تو کچھوؤں اور مچھلیوں کو مل جاتا)

جے سر منایاں رب ملدا تے ملدا بھیڈاں سسیاں نوں

(اگر سر منڈانے سے رب ملتا تو سسی نسل کی بھیڑوں کو رب مل جاتا)

بھیڑ کی ایک ایسی نسل ہوتی ہے جس کے سر پر بال بہت چھوٹے ہوتے ہیں، یہاں اس نسل کا نام لیا۔

جے ذکر کیتیاں رب ملدا تے ملدا کال کڑچھیاں نوں

(اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو اس کلچڑی کو مل جاتا)

کلچڑی (Grackle) ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے، وہ درخت پر الٹا لٹکتا ہے اور ساری رات آواز نکالتا ہے، یعنی ذکر کرتا ہے۔

جے جتیاں ستیاں رب ملدا تے ملدا انداں کھسیاں نوں

(اگر پاک دامن رہنے سے خدا ملتا تو خصی جانوروں کو رب مل جاتا)

اور آخر میں وہ فرماتے ہیں:

جے رب ملدا تے ملدا نیتاں اچھیاں نوں

(اگر اللہ ملتا ہے تو وہ اچھی نیت والوں کو ملتا ہے)

اس لیے ہم اپنی نیت کو اچھا کر لیں۔ ہمیشہ یہ بات دل میں رکھیں کہ ہم کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے، کسی کا دل نہیں دکھائیں گے، البتہ ہمارے ساتھ کوئی برا سلوک کرے گا تو ہم اللہ کی رضا کے لیے اس کو معاف کر دیں گے۔ پھر اس کی برکتیں دیکھیے گا۔

دوسری حدیث مبارکہ

لایعنی کاموں سے اجتناب:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو پانچ احادیث بتائیں ان میں سے دوسری حدیث مبارکہ سنیے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ

(انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی کو ترک کر دے)

لایعنی فضول کاموں کو کہتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی فائدہ ہی نہیں ہوگا۔ آج اگر آپ دیکھیں تو ہمارے نوجوان لایعنی کاموں میں اپنے وقت کو ضائع کرتے پھرتے ہیں۔ ہمیں وقت کی قدر و منزلت نہیں ہے۔ من حیث القوم ہمیں اس عادت کو

سنوارنے کی ضرورت ہے۔

آپ ولیمے کا ٹائم تو دن کے ایک بجے کا طے کر لیتے ہیں، لیکن ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ لوگ تین بجے تک آجائیں گے۔ پتہ چلا کہ مزاج ہی ایسا بن گیا ہے کہ دو گھنٹے کے فرق کو اتنا محسوس ہی نہیں کرتے۔ ایک کا مطلب تو ایک ہی ہوتا ہے نا۔ حدیث پاک نے ہمیں وقت کی قدر دانی سکھائی ہے کہ ہم فضول کاموں میں اپنی زندگی کے اوقات ضائع نہ کریں۔ ہمارے اکابر وقت کی اس طرح قدر کرتے تھے جس طرح بخیل آدمی اپنے درا ہم ودنانیر کی قدر کرتا ہے۔

قلم ٹوٹ جانے پر ذکرِ الٰہی کا ورد:

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں احادیث لکھتا تھا۔ جب میرا قلم ٹوٹ جاتا تو میں اسے نئے سرے سے بنانے لگتا تھا تو میں فوراً تیسرا کلمہ پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ یوں میرا قلم بنانے کا وقت بھی اللہ کی یاد سے خالی نہیں گزرتا تھا۔

سورج تھام لو، وقت لے لو:

ابن ابو قیس رحمۃ اللہ علیہ حفظِ حدیث میں لگے رہتے تھے اور لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے پاس آکر کہنے لگا: حضرت! مجھے تھوڑا سا وقت دے دیجیے، فرمانے لگے: اگر تم سورج کو تھام لو، تو جتنی دیر تھامے رکھو گے اتنی دیر میں تجھ سے گفتگو کرتا رہوں گا۔ کیا مطلب؟ کہ میں اپنا وقت معمول کے خلاف خرچ نہیں کرنا چاہتا۔

کھانے کے وقت میں دین کی خدمت:

عبید رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث گزرے ہیں۔ ان کی تیس سال تک یہ عادت رہی کہ وہ حدیثِ پاک بیٹھ کر لکھا کرتے تھے اور لکھتے وقت ان کی بیوی ان کے منہ میں لقمے

ڈالتی تھی، تمیں سال تک انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا تھا، اللہ اکبر! کھانے کے وقت کو بھی انہوں نے خدمتِ دین میں صرف رکھا۔

خشک ستو پھانکنے کی وجہ:

ایک بزرگ خشک ستو پھانک رہے تھے۔ کسی نے کہا: حضرت! اس میں پانی ملا لیں، گڑ ملا لیں، اس سے مزے دار بن جاتے ہیں۔ اس طرح آپ کو اچھے لگیں گے۔ جواب میں فرمانے لگے: میں نے خشک ستو پھانکنے میں اور تر ستو کھانے میں وقت کا اندازہ لگایا تو پتہ چلا کہ تر ستو کھانے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہٰذا پچھلے بیس سال سے میں خشک ستو پھانک کر گزارہ کر رہا ہوں اور جو وقت بچتا ہے میں اس میں ستر مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرتا ہوں۔

جو دم غافل سو دم کافر:

ہمارے مشائخ نے کہا: ''جو دم غافل سو دم کافر'' جو سانس بھی غفلت میں گزر گیا، یوں سمجھو کہ وہ سانس کفر کی حالت میں گزر گیا۔ وقت کا اتنا خیال۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں انسان دھوکے میں پڑ جاتے ہیں، وہ صحت اور فراغت ہیں''

آج کل نوجوان سے پوچھیں کیا کر رہے ہو؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں ٹائم کِل کر رہا ہوں۔ بھئی! تم ٹائم نہیں کِل کر رہے بلکہ اپنے آپ کو کِل کر رہے ہو۔ تم اپنی ہی زندگی کو نقصان میں گزار رہے ہو۔

اگر بالفرض ایک آدمی کی عمر ہونی تھی ستر سال، کوئی ولی اسے بتا دے کہ مجھے الہام کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ آپ کی زندگی کے تین سال گھٹا دیے گئے ہیں۔ یہ سن

کر اسے کتنا افسوس ہو گا، وہ پریشانی کے عالم میں رونا شروع کر دے گا اور چلائے گا کہ جی میری عمر تین سال گھٹا دی گئی ہے۔ جبکہ وہی بندہ فارغ رہ کر بغیر کوئی کام کیے اتنا وقت گزارتا ہے کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو وہ زندگی کے دس سال بن جاتے ہیں۔ مگر اس پر اسے کوئی افسوس نہیں ہوتا۔

زندگی کا کیا بھروسہ......

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث گزرے ہیں۔ ان کے شاگرد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث محمد بن افضل کے دروازے پر ایک حدیث سننے کے لیے گئے، انہوں نے حدیث سنا دی۔ انہوں نے پوچھا: کیا آپ کے پاس لکھی ہوئی بھی ہے؟ فرمایا: ہاں لکھی ہوئی ہے، لے آتا ہوں۔ تو جب کتاب لینے کے لیے جانے لگے تو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا کپڑا پکڑ کر کھینچ لیا اور کہنے لگے، حضرت! پہلے مجھے لکھوا دیجیے پھر کتاب لینے جایئے، کیا پتہ کہ آپ کے جانے اور آنے میں میری موت نہ واقع ہو جائے۔

پیدل چلتے ہوئے مطالعہ کا شغف:

نحو کے ایک بہت بڑے امام تھے۔ ان کی عادت تھی کہ راستہ چلتے ہوئے کتاب بھی پڑھتے جاتے تھے۔ اللہ کی شان، کہ ان کی وفات بھی اسی حالت میں ہوئی کہ کتاب پڑھتے ہوئے پیدل چل رہے تھے، سامنے سے ایک سواری دوڑتے ہوئے آرہی تھی، اس نے ٹکر ماری اور اسی جگہ پر گر کر انہوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا معمول:

علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ روٹیاں پکوا کر رکھ لیتے تھے

اور کئی دنوں تک وہی روٹیاں چلتی تھیں۔ جب وہ روٹیاں ایک دن کے بعد خشک ہو جاتی تھیں تو وہ ان روٹیوں کو پانی میں بھگو دیتے تھے۔ اس طرح وہ نرم ہو جاتی تھیں اور پھر ان کو کھاتے تھے۔ کسی نے پوچھا: جی آپ نے روٹیاں کھانے کا یہ طریقہ کیسے نکالا؟ فرمانے لگے کہ عام روٹی کھانے میں زیادہ دیر تک چبانا پڑتا ہے اور گیلی روٹی کو کم چبانا پڑتا ہے۔ میں کم چبا کر وقت بچاتا ہوں، اور اس وقت میں حدیث کی کتابت کر لیتا ہوں۔

بیت الخلا میں علمی مشغولیت:

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ بیت الخلا جانے لگتے تو اپنے شاگردوں سے کہتے کہ تم ذرا اونچی آواز سے تکرار کرو۔ وہ کہتے، حضرت! کیوں؟ فرماتے تھے کہ میں بیت الخلا میں تو جا کر زبان سے کچھ پڑھ نہیں سکتا، تمہاری آواز آتی رہے گی، میں ذہنی طور پر علمی مسئلہ کو سوچنے میں مشغول رہوں گا۔ انہوں نے بیت الخلاء کے وقت کو بھی تحصیل علم کا وقت بنا لیا۔

کنویں کی دیوار پر کتابتِ علم:

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حاسد حکومت میں آ گیا۔ اس نے حضرت کو قید کروا دیا، پھر انہیں ایک کنویں میں بند کر دیا گیا۔ وہاں سے وہ نکل نہیں سکتے تھے۔ حضرت اپنے شاگردوں کے ذریعے وہاں کاغذ منگوا لیتے اور کتاب لکھتے رہتے۔ جب آپ کی نئی کتاب تیار ہو گئی تو اس حاسد کو پتہ چل گیا۔ اس نے کہا کہ اچھا! کنویں کے اندر بند ہیں اور پھر بھی کتاب لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ اس نے کاغذ، قلم اور دوات کا پہنچانا بھی بند کروا دیا۔ اسی حالت میں ابن تیمیہؒ کی وفات ہو گئی۔

وفات کے بعد ان کی ایک اور نئی کتاب بن گئی۔ وہ حاسد بڑا حیران ہوا کہ اب

کتاب کیسے بنی؟ پتہ چلا کہ جب اس نے کاغذ، قلم اور دوات کا پہنچانا بند کر دیا تھا اس وقت انہوں نے منت سماجت کر کے پولیس والے نگران سے کچھ کوئلے منگوا لیے تھے اور کوئلے کے ذریعے انہوں نے کنویں کی دیوار پر کتاب لکھ دی...... اللہ اکبر...... تاریخِ انسانیت علم کی طلب کے ایسے واقعات پیش نہیں کر سکتی جو ہمارے اکابر کو پیش آئے۔

امام محمدؒ کی تدریسی مصروفیات:

امام محمدؒ ایک جگہ پر درس دیتے تھے۔ دوسرے بستی والے آئے اور کہا: حضرت! ہمارے ہاں بھی آ کر درس دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھئی! میرے پاس اتنا کم وقت ہے کہ میں جاؤں گا اور واپس آ جاؤں گا۔ بس اتنے میں ہی وقت ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ جی ہم سواری کا انتظام کر لیتے ہیں۔ آپ سواری پر سوار ہو کر تیزی سے آیا کریں اور اس وقت میں درس دے کر واپس چلے جایا کریں، اس طرح آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ان کا اخلاص دیکھ کر امام محمدؒ نے ان کی تجویز قبول کر لی۔ اب ایک جگہ بھی درس دیتے اور پھر سواری پر بیٹھ کر تیزی سے دوسرے گاؤں جاتے اور وہاں بھی درس دے کر تیزی سے واپس آ جاتے۔

دوڑ کر تحصیلِ علم کی مثال:

اس دوران حضرت کا ایک شاگرد آ گیا۔ عرض کیا کہ حضرت! مجھے آپ سے ایک کتاب پڑھنی ہے۔ فرمایا: بھئی! میرے پاس تو وقت ہی نہیں ہے۔ اِدھر درس دیتا ہوں یا اُدھر درس دیتا ہوں اس کے علاوہ میرے پاس وقت ہی نہیں، میں آپ کو کیسے پڑھاؤں؟ اس نے کہا: جی میں نے یہ کتاب پڑھنی تو آپ سے ہی ہے۔ حضرت نے فرمایا: بھئی! میرے پاس فرصت ہی نہیں تم کیسے پڑھو گے؟ شاگرد نے کہا کہ حضرت!

میرے پاس ایک تجویز ہے۔ پوچھا: کیا تجویز ہے؟ کہنے لگا کہ جب آپ سواری پر سوار ہو کر ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف چلیں تو میں سواری کے ساتھ ساتھ دوڑتا رہوں گا اور اس دوران آپ تقریر کر دینا، میں آپ سے اس طرح سبق پڑھ لیا کروں گا۔......اللہ اکبر کبیرا......حیران ہوتے ہیں کہ یا اللہ! ہمارے اکابر کو علم کا اتنا شوق تھا......!!! کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ استاد سواری پر سوار ہو کر جا رہا ہے اور شاگرد دوڑ بھی رہا ہے اور ساتھ اپنا سبق بھی پڑھ رہا ہے۔

بھکاری کے روپ میں علم کا حصول:

ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ اندلس میں ایک محدث گزرے ہیں۔ وہ سفر کر کے بغداد پہنچے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھنے کے لیے انہوں نے یہ سفر کیا۔ اللہ کی شان کہ وقت کے حاکم نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو گھر میں نظر بند کر دیا تھا۔ نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا اور نہ ہی وہ کسی سے مل سکتے تھے۔ ابنِ مخلدؒ بہت پریشان ہوئے۔

ان کے ذہن میں ایک تجویز آئی۔ ہوٹل میں جو کمرہ کرائے پر لیا تھا وہاں سے جب نکلے تو سر پر بھی کپڑا باندھا ہوا تھا، ٹانگ پر بھی ایک جگہ کپڑا باندھا ہوا تھا، پھٹے ہوئے کپڑے تھے، ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں کشکول پکڑ لیا، جیسے سوال کرنے والا فقیر ہوتا ہے۔ باہر نکل کر انہوں نے مانگنا شروع کر دیا۔ اس زمانے میں فقیر جب سوال کرتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے:

اَجْرُ کُمْ عَلَی اللّٰہِ

(تمہارا اجر اللہ کے ذمے ہے)

یہ الفاظ سن کر جنہوں نے دینا ہوتا تھا وہ دے دیتے تھے۔ چنانچہ یہ صدا لگاتے ہوئے گلیوں میں جا رہے تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ فقیر ہے۔ کسی نے کچھ دے دیا اور کسی نے نہ دیا۔

اسی طرح صدا لگاتے لگاتے وہ امام احمد بن حنبل ؒ کے دروازے پر پہنچے۔انہوں نے صدا لگائی۔امام صاحب نے دروازہ کھولا کہ میں پیسے دوں۔وہ کہنے لگے کہ حضرت! میں درہم و دینار کا طالب نہیں ہوں، میں حدیث کا طالب ہوں، آپ سے حدیث پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔انہوں نے فرمایا کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا، آپ سے بات نہیں کرسکتا، حکومت مجھے بہت زیادہ سزا دے گی۔کہنے لگے کہ حضرت! میں اسی طرح فقیر اور بھکاری کے بھیس میں روزانہ آپ کے دروازے پر آیا کروں گا۔آپ دروازہ کھول دینا، جتنی دیر پیسے دینے میں لگتی ہے، اتنی دیر حدیث سنانے میں لگا دینا اور میں حدیث زبانی یاد کرلیا کروں گا۔وہ ایک سال تک امام احمد بن حنبل ؒ کے دروازے پر آتے رہے، صدا لگاتے رہے اور امام احمد بن حنبل ؒ ان کو حدیث پڑھاتے رہے اور وہ حدیث سن کر یاد کرتے رہے جب قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے: اے اللہ! ہم نے تیرے دین کو ایسے ایسے حاصل کیا، تو ہماری وہاں کیا حیثیت ہوگی؟ ہم اپنے اوقات کا خیال رکھیں۔ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں اور ٹھنڈے ٹھنڈے پنکھوں کے نیچے صاف ستھری جگہوں پر بیٹھ کر آج کے طلبا اپنے اساتذہ سے علم حاصل نہیں کر پاتے۔یاد رکھیں وقت ہمارے پاس بہت بڑی نعمت ہے۔

اَلْوَقْتُ مِنْ ذَهَبٍ وَّ فِضَّةٍ

[وقت سونے اور چاندی کی مانند ہے]

بیس سال تک فرصت نہ ملی:

حضرت مولانا یحییٰ ؒ کے دل میں ایک مرتبہ خیال آیا کہ اگر کبھی فرصت ملی تو سردیوں کی دھوپ میں بیٹھ کر گنا چوسوں گا۔......سردیوں کی دھوپ میں بیٹھ کر گنا چوسنے کا اپنا ایک مزہ ہے۔......حضرت کی زندگی کے بیس سال گزر گئے مگر ان کو

دھوپ میں بیٹھ کر گنا چوسنے کی فرصت نہ مل سکی۔ اتنی مصروف زندگی تھی۔

تیسری حدیث مبارکہ

دوسروں کی پسند کا بھی خیال رکھیں:

اب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تیسری حدیث مبارکہ سنئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

[تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے]

ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہم سے کوئی غلطی ہوجائے تو ہمیں معاف کردیا جائے، ہم بھی لوگوں کی غلطیوں کو معاف کردیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے اگر کوتاہی ہو تو لوگ پردہ ڈال دیا کریں، ہم بھی لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہم سے حسنِ ظن رکھیں، ہم بھی دوسروں سے اچھا گمان رکھیں۔ نبی علیہ السلام نے کیا ہی خوبصورت بات بتادی۔ اگر کسی کی شریعت کے مسئلے کا پتہ نہ بھی ہو اور وہ اس اصول پر سوچ لے گا کہ میں تو دوسروں کے لیے بھی وہی چیز پسند کروں گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں تو اس کی سوچ شریعت کے مطابق ہوگی۔

آج ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ بہت اچھی بیوی ہو، وفادار ہو، خدمت گزار ہو، نیکوکار ہو۔ تو پھر ہمیں بھی تو ایسا ہی خاوند بننا چاہیے نا۔ کیا ہم ایسے وفادار بنتے ہیں۔ بھئی! جب اپنے لیے یہ پسند کرتے ہیں تو دوسروں کے لیے بھی تو یہی پسند کریں نا۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہمیں دھوکا نہ دے، ہم دوسروں کو کیوں دھوکا دیتے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے تو پھر ہم کیوں للچائی ہوئی

نظریں دوسروں کی عزتوں پر ڈالتے پھرتے ہیں۔ جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کریں، ہم اپنے اندر احساس پیدا کریں۔ کیونکہ بے حسی کام خراب کر دیتی ہے اور احساس سے معاملات سنور جاتے ہیں۔

ایک دلچسپ صلح:

قاضی موسیٰ بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں ایک میاں بیوی کا جھگڑا پیش ہوا جھگڑا کیا تھا؟ میاں بیوی ایک دوسرے سے ذرا خفا تھے۔ بیوی چاہتی تھی کہ یہ مجھے طلاق دے دے اور میرا مہر مجھے دے دے۔ مہر کی رقم بہت زیادہ تھی اس لیے خاوند کہتا تھا کہ میں طلاق تو دے سکتا ہوں مگر مہر نہیں دوں گا۔

مقدمے کے گواہوں میں سے کسی نے کہا: جی مجھے کیا پتہ کہ پردے میں لپٹی کون عورت ہے؟ اگر یہ اپنا چہرہ کھول دے تو پہچان کر تصدیق کر سکتا ہوں کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ وہ کوئی قریبی غیر محرم بندہ ہوگا۔ تو قاضی نے کہا: ہاں ایسے موقع پر گواہ اگر کہیں تو شرعاً وہ دیکھ سکتے ہیں ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کا یہی معنی ہے کہ ضرورت کے وقت ایسا کیا جا سکتا ہے۔ اب خاوند نہیں چاہتا تھا کہ میری بیوی کسی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولے۔ قاضی نے تو کہہ دیا کہ اگر گواہ مطالبہ کریں گے تو اس کو اپنی شناخت ثابت کرنا پڑے گی۔ خاوند نے جیسے ہی بات سنی، وہ کہنے لگا: قاضی صاحب! آپ میری بیوی کو چہرہ کھولنے کے لیے مت کہیں، میں اس کا پورا مہر پانچ سو دینار دینے کے لیے تیار ہوں۔ جب خاوند نے یہ بات کہی کہ میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ یہ غیر کے سامنے چہرہ کھولے، میں پانچ سو دینار دے کر اس کی بات مان لیتا ہوں، تو بیوی کے دل میں بھی یہ احساس پیدا ہوا کہ جب میرا خاوند میرے بارے میں اتنا غیرت مند ہے تو پھر میں بھی اس ارادے سے باز آ جاؤں۔ چنانچہ وہ کہنے لگی، قاضی صاحب! نہ میں خاوند سے طلاق چاہتی ہوں اور نہ ہی حق مہر مانگتی ہوں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے

دونوں کو ہنسی خوشی واپس گھر بھیج دیا۔

چوتھی حدیث مبارکہ

امام اعظمؒ کی وصیتوں میں چوتھی حدیثِ مبارکہ یہ تھی۔

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

(حلال بھی واضح اور حرام بھی واضح، ان کے درمیان میں مشتبہ چیزیں ہوتی ہیں)

جو بندہ ان حرام اور مشتبہ چیزوں کو چھوڑ دے گا وہی اللہ کا مقرب بنے گا۔ جب تک ہم حرام اور مشتبہ چیزوں کو نہیں چھوڑیں گے، تقویٰ کا مقام نہیں پا سکیں گے۔ ہمارے اکابر اس معاملے میں بہت احتیاط کیا کرتے تھے۔ اس کی بھی چند مثالیں سن لیجئے۔

مولانا محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

امام العلما والصلحا حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ بڑا معروف تھا۔ آپ سردیوں میں بھی اور گرمیوں میں بھی ہاتھ میں چھتری رکھتے تھے۔ گرمیوں میں تو چھتری ہاتھ میں رکھنا سمجھ میں آتا ہے، دھوپ سے بچتے ہوں گے، لیکن سردیوں میں چھتری رکھنا تو سمجھ میں نہیں آتا۔ چونکہ حضرت کی جماعت میں علما کی کثرت تھی اس لیے ایک مرتبہ ایک عالم نے پوچھ لیا کہ حضرت! سردیوں میں چھتری ہاتھ میں رکھنے کی کیا حکمت ہے؟ جب انہوں نے اصرار کیا، تب حضرت نے راز کھولا۔ فرمایا کہ عام لوگ تو سردی گرمی سے بچنے کے لیے رکھتے ہیں، میری ایک اور بھی نیت ہوتی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کونسی؟ فرمایا کہ راستہ چلتے ہوئے جب دیکھتا ہوں کہ دائیں طرف سے غیر محرم آرہی ہے تو میں اس طرف چھتری کر کے اپنا

چہرہ چھپا لیتا ہوں اور جب بائیں طرف سے غیر محرم آ رہی ہوتی ہے تو چھتری سے بائیں طرف آڑ کر لیتا ہوں، میں غیر محرم کے کپڑے کو بھی نہیں دیکھتا، تاکہ میرا اس کی طرف دھیان ہی نہ جائے۔ یہ ہے تقویٰ کہ غیر محرم کا چہرہ تو کیا دیکھنا، اس کے کپڑے کو بھی نہ دیکھا جائے۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابا جی (حضرت مرشد عالمؒ) بیرون ملک میں تشریف لے گئے۔ انہی دنوں میں حضرت مولانا عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اسلام آباد سے واپسی پر چکوال تشریف لے آئے۔ میں گھر میں موجود تھا۔ حضرتؒ کو بٹھایا، پانی وغیرہ پلایا اور پھر امی سے کہا کہ کھانا وغیرہ بنائیں۔

جب کھانا پک کر تیار ہو گیا اور میں نے حضرت کے سامنے دستر خوان لگایا تو حضرت کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھا رہے تھے۔ میں نے کہا: حضرت! کھائیں۔ حضرت نے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر حیران ہو کر کہا: قاسمی! تمہارے گھر میں سور کہاں سے آ گیا؟ یہ سن کر میں گھبرا گیا اور میں دوڑتے ہوئے اپنی والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور کہا کہ حضرت تو کھانا نہیں کھا رہے اور فرما رہے ہیں کہ تمہارے گھر میں سور کہاں سے آ گیا۔

فرماتے ہیں کہ جب والدہ صاحبہ نے سنا تو اس نے بھی گھبرا کر ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگی: واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ غلطی یہ ہوئی ہے کہ ایک ہمسائی عورت بڑے عرصے سے پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ جب آپ کے گھر میں پیر صاحب آئیں گے تو ان کے لیے ایک وقت کا کھانا میں بنا دوں گی۔ پڑوسن کی رعایت کرتے ہوئے میں نے ہاں کر دی تھی۔ چنانچہ یہ آج اس کے گھر کا بنا ہوا کھانا تھا جو حضرت کو پیش کیا گیا، یہ ہمارے گھر کا بنا ہوا نہیں تھا۔ اس کے بعد والدہ صاحبہ نے اپنے گھر میں کھانا تیار کیا اور

حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے کھایا۔ جب بعد میں تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ پڑوسن کا خاوند ایک حلال اور جائز نوکری کرتا تھا لیکن بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں پیسے رکھے ہوئے تھے اور وہاں سے سود کا پیسہ اس کے پیسوں میں مل جاتا تھا، اس کا اثر پورے پیسوں پر پڑا اور حضرت نے اس کا اثر محسوس کر کے پوچھا: قاسمی! تمہارے گھر میں سور کہاں سے آ گیا۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ کا تقویٰ:

پہلے زمانے میں صرف مرد ہی تقویٰ اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ اس زمانے کی عورتیں بھی بہت زیادہ پارسا ہوتی تھیں۔ عورتوں کے تقویٰ کا بھی ایک واقعہ سن لیجیے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ یہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے والدِ گرامی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوران ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے میرے والد صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا: ذرا توجہ سے سنیے گا! یہ مسئلہ پوچھا کہ میں روئی کاتتی ہوں۔ میں ایک رات چھت کے اوپر بیٹھ کر روئی کات رہی تھی۔ حکومتِ وقت کی پولیس کا داروغہ گلی میں سے گزرا، اس کے ساتھ روشنی کا بڑا انتظام تھا، وہ وہاں کسی سے بات کرنے کے لیے رک گیا، جب روشنی بہت زیادہ ہو گئی اور مجھے روئی اچھی طرح نظر آنے لگی تو میں نے سوچا کہ میں ذرا جلدی کات لوں۔ چنانچہ میں نے جلدی جلدی روئی کاتی۔ جب وہ داروغہ ابنِ طاہر چلا گیا تو بعد میں مجھے خیال آیا کہ ان کا پیسہ تو مشتبہ قسم کا ہوتا ہے اور میں نے اس کی روشنی سے فائدہ اٹھایا ہے، اب یہ روئی میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: تم اس ساری روئی کو صدقہ کر دو، اللہ تمہیں اور رزق عطا فرما دیں گے۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا جواب ہوا۔ جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جتنی مقدار اس روشنی میں کاتی اتنا صدقہ کرو، لیکن ابا

جی نے فرمایا کہ ساری روئی صدقہ کر دو۔اس کے بعد وہ عورت چلی گئی۔

کہتے ہیں کہ دو چار دن بعد پھر وہی بوڑھی عورت آئی اور کہا: جی میں نے امام صاحب سے مسئلہ پوچھنا ہے۔چنانچہ وہ امام صاحب کے پاس جا کر مسئلہ پوچھنے لگی کہ میں رات کو چراغ کی روشنی میں روئی کاتتی ہوں تو کبھی کبھی چراغ کا تیل ختم ہو جاتا ہے،تو چاند کی روشنی میں کاتنے بیٹھ جاتی ہوں۔چراغ کی روشنی میں روئی صاف نظر آتی ہے اور چاند کی روشنی میں صاف نظر نہیں آتی۔تو اب بتائیں کہ جب میں گاہک کو روئی بیچوں،تو کیا مجھے بتانا پڑے گا کہ یہ چراغ کی روشنی میں کاتی گئی ہے یا چاند کی روشنی میں کاتی گئی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا،ہاں تمہیں بتانا پڑے گا۔اس کے بعد وہ دعا دے کر چلی گئی۔

فرماتے ہیں کہ جب وہ چلی گئی تو امام صاحب بھی اس کا تقویٰ دیکھ کر حیران ہوئے اور مجھے فرمایا کہ اس عورت کے پیچھے جاؤ اور دیکھو تو سہی کہ یہ کس گھر کی عورت ہے۔حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں پیچھے گیا تو وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں داخل ہوئی،پتہ چلا کہ یہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن تھی جس کو اللہ نے اتنی تقویٰ بھری زندگی عطا فرمائی ہوئی تھی......اس وقت کی عورتیں بھی حرام اور مشتبہ چیزوں سے اتنا بچتی تھیں۔قیامت کے دن تو یہ عورتیں بھی ہم سے آگے بڑھ جائیں گی۔

پانچویں حدیث مبارکہ

پانچویں حدیث ان سب احادیث کا لب لباب ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

[مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں]

مسلمان کون ہے؟

اس حدیث مبارکہ میں مسلمان کی تعریف کی گئی ہے کہ مسلمان کون ہوتا ہے؟ یہ ایک بنیاد ہے اگر ہم اس کو پورا کر رہے ہیں تو صحیح معنوں میں مسلمان ہیں اور اگر پورا نہیں کر رہے تو ہماری مسلمانی ہی ادھوری ہے۔ یہ مسلمان ہونا کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں ہے۔ کہنے والے نے کہا:

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

[جب میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں کانپ جاتا ہوں اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ مسلمان کون ہوتا ہے]

تو نبی علیہ السلام نے بہت سادہ لفظوں میں بتا دیا کہ مسلمان کون ہوتا ہے۔ یعنی مسلمان وہ ہوتا ہے جو نہ تو کسی کو زبان سے تکلیف پہنچاتا ہے اور نہ ہی ہاتھ سے۔

عام طور پر تکلیف تو ہاتھ سے پہنچائی جاتی ہے لیکن یہاں ید (ہاتھ) کے ساتھ لسان (زبان) کا بھی تذکرہ ہے۔ اس لیے کہ عام طور پر انسان اپنے قول اور فعل سے دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ قول زبان سے صادر ہوتے ہیں اور اکثر فعل ہاتھوں سے صادر ہوتے ہیں اور باقی اعضا ان کے ضمن میں آ جاتے ہیں۔

زبان ہاتھوں پر مقدم کیوں؟

اور پھر ان دونوں میں سے بھی زبان کا تذکرہ پہلے کیا اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆......انسان ہاتھوں سے جو تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کے مواقع بہت کم آتے ہیں۔ انسان چوبیس گھنٹے تو دوسرے کا گریبان پکڑ کر نہیں کھڑا ہوتا۔ لیکن زبان سے دوسرے

کو تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ جب چاہا زبان سے ایک فقرہ بول دیا اور یہ دوسرے کے دل میں جا کر ایسے چبھا کہ اس کو چیر کر رکھ دیا۔

☆ ...... پھر غور کیجیے! انسان دن میں کسی دوسرے کو تکلیف پہنچائے گا لیکن رات کو اپنے گھر میں ہوگا، چنانچہ لوگ امن میں ہوں گے۔ مگر زبان یہ وہ تلوار ہے جو دن میں بھی چلتی ہے رات میں بھی چلتی ہے، اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی چلتی ہے اور انسان اپنی زبان سے ایسی باتیں کرتا ہے کہ دوسرے کا دل دکھاتا ہے۔

☆ ...... زبان ان رشتوں کو بھی کاٹ دیتی ہے جو رشتے انسان تلوار کے ذریعے سے بھی نہیں کاٹ سکتا۔ غصہ آیا دو بھائیوں نے بولنا بند کر دیا، اب یہ بھائیوں کا رشتہ ایسا تھا کہ یہ تلوار اور قینچی سے کٹ نہیں سکتا تھا مگر زبان کے دو بول بس ایک دوسرے سے بول چال ختم کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ زبان کا نقصان ہاتھ کی نسبت بہت زیادہ ہے۔

☆ ...... پھر ہاتھ سے نقصان پہنچانے میں مشقت لگتی ہے لیکن زبان سے تکلیف پہنچانے میں کوئی مشقت نہیں لگتی۔ ایک بچہ بھی نقصان پہنچا سکتا ہے، عورت بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ہاتھ سے تو نقصان تب پہنچائے گا جب دوسرے سے زیادہ طاقت ور ہوگا اور اگر اگلا طاقتور ہوا تو الٹا دوا اپنے منہ پر لگ جائیں گی۔ لیکن زبان سے انسان جس کو چاہے تکلیف پہنچا سکتا ہے۔

☆ ...... ہاتھ سے نقصان پہنچانے کے لیے تو دوسرے بندے کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ زبان سے نقصان پہنچانے کے لیے سامنے ہونا کوئی ضروری نہیں، غائب کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ بلکہ جو گزر چکے ہوں کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے چنانچہ انسان ان کی غیبت کرتا ہے، جو پہلے گزر چکے، جب کہ ہاتھ سے انسان ان کو کوئی دکھ نہیں پہنچا سکتا۔

☆......ہاتھ سے تو انسان ایک فرد کو تکلیف پہنچا دے گا جب کہ زبان سے ایک وقت میں پورے قبیلے بلکہ پوری قوم کو دکھ پہنچا دے گا۔

اس لیے نبی علیہ السلام نے ہاتھ پر زبان کو مقدم فرمایا اور فرمایا مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

حق تلفی سے بچیں:

تو ہمیں یہ چاہیے کہ اپنے دوسروں کو ایذا سے بچائیں اور ان کی حق تلفی نہ کریں۔نہ زبان سے کسی کو تکلیف پہنچائیں نہ افعال سے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارا دین ہمیں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ اتنے اچھے اخلاق سے زندگی گزاریں کہ کسی کو معمولی سی بھی تکلیف نہ ہو۔حتیٰ کہ کسی کی دلآزاری بھی نہ ہو۔

پانچ حدیثیں شریعت کا نچوڑ کیسے؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ پانچ احادیث پوری شریعت کا نچوڑ ہیں......اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانچ احادیث مبارکہ پوری شریعت کا نچوڑ کیسے ہیں؟......ذرا غور کیجیے۔

پہلی حدیثِ مبارکہ......تصحیح اعمال کے بارے میں ہے۔

دوسری حدیثِ مبارکہ......تصحیحِ اوقات کے بارے میں ہے۔

تیسری حدیثِ مبارکہ......حقوق العباد کے بارے میں ہے۔

اور چوتھی حدیثِ مبارکہ......حقوق اللہ کے بارے میں ہے۔

اور پانچویں حدیثِ مبارکہ......حقوق مسلم کے بارے میں ہے۔

جب اعمال کی تصحیح بھی ہو جائے،اوقات کی تصحیح بھی ہو جائے،حقوق العباد بھی

پورے کر لئے جائیں اور اللہ کے حقوق بھی پورے کر لیے جائیں تو پورے دین پر تو عمل ہو جاتا ہے۔اس لیے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچ احادیث کو دین کا نچوڑ فرمایا ہے۔ان کی یہ بات سو فیصد پکی اور سچی بات ہے۔

انسان کی برائی کی پہچان:

جب ہم غفلت کی زندگی گزارتے ہیں اور معاملات میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس وقت ہم بالکل بے سینگ کے بکرے نظر آتے ہیں، جو قریب آتا ہے اس کو ٹکر لگا دیتے ہیں...... ہر طرف تنقیدی نظر...... ہر ایک کے عیب ٹٹولنا...... اپنی خوبیاں نظر میں اور لوگوں کے عیب نظر میں...... دوسروں کے حقوق کی رعایت نہ کرنا اور اپنے آپ کو اللہ کا بڑا مقرب سمجھنا...... یہی تو انسان کی برائی کی پہچان ہے۔

مقام ولایت میں رکاوٹ:

ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں گیا۔وہاں عبادت کرتا رہا۔عبادت کرتے کرتے مجھے نیند آ گئی۔میرے پاس بستر نہیں تھا۔چنانچہ میں مسجد کی صف کو اپنے اوپر لپیٹ کر سو گیا۔میں مسجد میں سویا ہوا تھا اور کسی دوسرے کو پتہ بھی نہیں تھا۔

کہتے ہیں کہ کچھ اہل اللہ مسجد میں آئے اور انہوں نے آپس میں گفتگو کرنا شروع کر دی۔ان میں سے ایک نے کہا: یہاں کوئی غیر محسوس ہوتا ہے۔ان میں سے بڑے نے کہا: ہاں یہ ادھم کا بچہ سو رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ولایت مل جائے، اسے ولایت کیسے مل سکتی ہے؟ اس نے تو فلاں بندے کی کھجور بغیر اجازت کے کھائی ہوئی ہے۔کہتے ہیں کہ میں اس وقت بالکل سن ہو کر پڑا رہا۔

جب وہ اپنی مجلس کر کے چلے گئے تو اس وقت مجھے خیال آیا کہ ہاں میں نے کل

کھجور خریدی تھی اور ایک کھجور نیچے گر گئی تھی، میں نے گمان کیا کہ یہ میرے حصے کی کھجور گری ہے، اس لیے میں نے اٹھا کر وہ منہ میں ڈال لی تھی، وہ میری کھجور نہیں تھی، بلکہ اس دکاندار کی تھی اور میں نے بغیر اجازت کے کھالی تھی۔ فرماتے ہیں کہ اگلے دن میں نے جا کر اس دکاندار سے بلا اجازت کھجور کھانے کی معافی مانگی۔ جیسے ہی اس بندے نے مجھے معاف کیا، اسی وقت اللہ نے مجھے ابدال کا مقام عطا فرما دیا۔

اگر پکڑ ہو گئی تو...... الامان والحفیظ:

ہماری حالت کیا ہے؟...... نہ حلال کی فکر نہ حرام کی پرواہ
اوپر سے تسبیح، اندر سے میاں کسبی۔
اوپر سے لا الہ، اندر سے کالی بلا۔

قیامت کے دن اگر حقوق العباد دینے پڑ گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ اس لیے صحیح صوفی وہ ہے جو ایسی زندگی گزارے کہ قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو۔ اور اگر کوئی گریبان پکڑنے والا کھڑا ہو گیا تو...... الامان والحفیظ...... قیامت کے دن لوگ اللہ کے سامنے کیسے پیش ہوں گے؟......

﴿ فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۝ ﴾ (الانعام: 94)

[اکیلے اکیلے جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ]

ایک ایک کر کے...... جیسے ایئر پورٹ پر مشین میں سے سکین ہو کر جاتے ہیں اسی طرح اللہ کے سامنے سے گزریں گے اور فرشتے ان کے دلوں کی سکینگ کریں گے۔ اس جگہ پر جب کچھ بندے آگے جائیں گے تو کہا جائے گا:

﴿ وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت: 25)

(انہیں روک لیجیے، ہم نے ان کا ٹرائل کرنا ہے)

......لوگوں پر الزام لگاتا تھا۔

......ناحق بہتان لگاتا تھا۔

...... بیوی کا دل دکھاتا تھا۔

......اللہ کے بندوں کے لئے وبالِ جان بنا ہوا تھا۔

وَقِفُوْهُمْ......اس کو بھی روک لیجیے۔اس نے بھی

......شکل دین داروں والی بنائی ہوئی تھی،

......لوگوں کو دھوکے دیتا تھا۔

...... بلا اجازت لوگوں کی چیزیں استعمال کرلیا کرتا تھا۔

وَقِفُوْهُمْ......اس کو بھی روک لیجیے کہ

......اس کی شہوت بھری نظر غیر پر پڑا کرتی تھی۔ یہ میری محبتوں کے دعوے کرتا تھا اور غیر کی ہوس اس کے دل میں بھری ہوئی تھی۔

......اس کو روک لیجیے،اس کا ہم نے حساب لینا ہے۔

اگر قیامت کے دن ہمیں کھڑا کرلیا گیا تو ہمارا کیا بنے گا!!!۔آج وقت ہے،اللہ رب العزت سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگیں اور آئندہ نیکوکاری اور پرہیز گاری کی زندگی گزارنے کا دل میں سچا اور پکا عہد کریں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمادے (آمین ثم آمین)

واخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العلمين

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 062-2442791
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بارزار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 041-7224228
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ بیت العلم بنوری ٹاؤن کراچی 021-2018342
- مکتبۃ الشیخ 445/3 بہادر آباد کراچی 0214935493
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 2 اسلامی کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2288261
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ، پشاور روڈ، راولپنڈی 03009834893 ، 051-5462347

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد